ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

۴ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ اپریل ۲۰۰۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

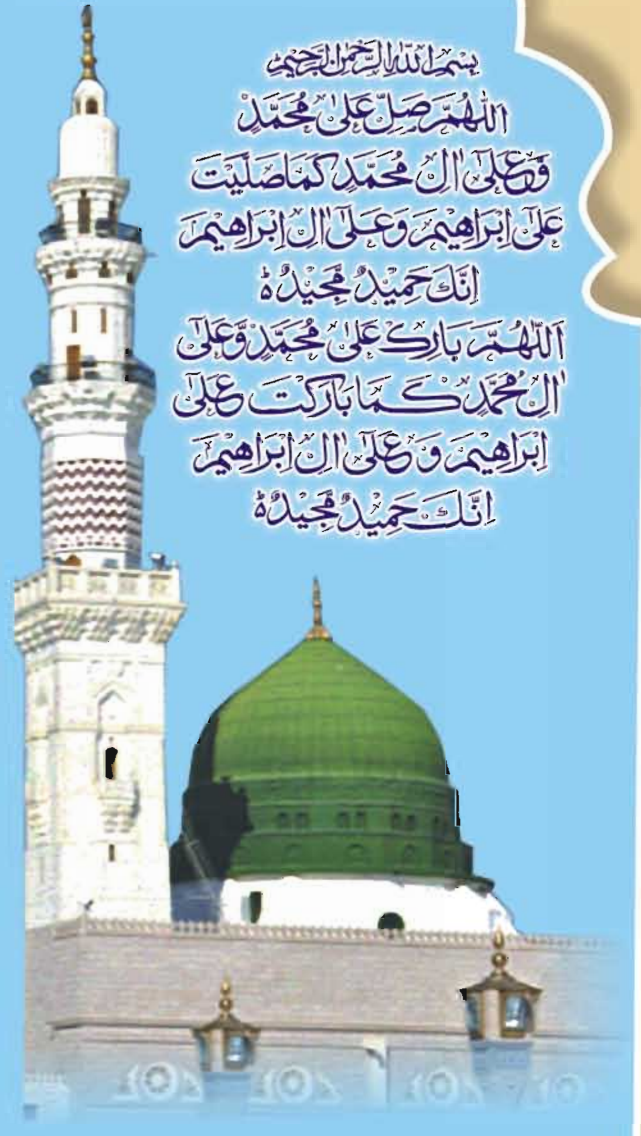

- وکلاء کی تحریک...... بارش کا پہلا قطرہ
- تکمیلِ دین اور ختم نبوت
- اصلاحِ معاشرہ کے لیے نبوی حکمتِ عملی
- خون آشام میلہ
- احرار اور فنِ خطابت
- ماسٹر تاج الدین انصاریؒ
- مولانا غلام غوث ہزارویؒ
- اخبار الاحرار

نورِ ہدایت

القرآن

"نہیں ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول اور تمام انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کے جاننے والا۔"

(الاحزاب:۳۹)

الحدیث

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی گھر بنایا ہو اور اس کو آراستہ پیراستہ کیا ہو مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ہو اور لوگ اس کے پاس چکر لگاتے اور خوش ہوتے ہوں اور کہتے ہوں کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی (کہ تعمیر مکمل ہو جاتی) فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پس وہ آخری اینٹ میں ہی ہوں۔ اور میں ہی خاتم النبیین ہوں۔"

(بخاری و مسلم)

الآثار

"جو لوگ تحریک تحفظ ختم نبوت میں جہاں تہاں شہید ہوئے ان کے خون کا جواب دہ میں ہوں۔ وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں جانیں ہار گئے۔ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ان میں جذبۂ شہادت میں نے پھونکا تھا۔ جو لوگ ان کے خون سے دامن بچانا چاہتے اور ہمارے ساتھ رہ کر اب کنی کترا رہے ہیں۔ ان سے کہتا ہوں کہ میں حشر کے دن بھی ان کے خون کا ذمہ دار ہوں گا۔ وہ محبتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اسلامی سلطنت کے ہلاکو خانوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیکڑوں حفاظِ قرآن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ختم نبوت کے تحفظ کے لیے قربان کرا دیئے تھے۔"

(امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔ لاہور ۱۹۵۴ء)

ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

جلد 18 شمارہ 4 ربیع الاول 1428ھ — اپریل 2007ء

Regd.M.NO.32, I.S.S.N.1811-5411

بیاد

سید الاحرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی

ابنِ امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری

مدیر مسئول

سید محمد کفیل بخاری

معاون مدیر

شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

رفقائے فکر

پروفیسر خالد شبیر احمد

عبداللطیف خالد چیمہ، سید یونس الحسنی

مولانا محمد مغیرہ، محمد عمر فاروق

آرٹ ایڈیٹر

محمد الیاس میراں پوری

i4ilyas1@hotmail.com

سرکولیشن منیجر

محمد یوسف شاد

تشکیل

دل کی بات	وکلاء کی تحریک...... بارش کا پہلا قطرہ	مدیر	2
دین ودانش:	تکمیل دین اور ختم نبوت	چودھری افضل حقؒ	4
//	سیدنا محمد ﷺ کا ابدی و آفاقی اعلانِ رسالت و ختم نبوت	سید عطاء المحسن بخاریؒ	9
//	اصلاح معاشرہ کے لیے نبوی حکمت عملی	مولانا محمد طاسینؒ	14
شاعری:	حمد باری تعالیٰ	حفیظ تائب	18
//	نعت رسول مقبول ﷺ	پروفیسر خالد شبیر احمد	19
//	نعت رسول مقبول ﷺ	ابوسفیان تائب	20
افکار:	مشورہ	ڈاکٹر شاہد مسعود	21
//	خون آشام میلہ	قاری مجیب الرحمٰن	24
شخصیات:	مولانا غلام غوث ہزارویؒ	محمد عمر فاروق	27
//	ماسٹر تاج الدین انصاری	غلام محمد خان نیازی	35
بازگشت:	احرار اور فن خطابت (قسط:۲)	پروفیسر خالد شبیر احمد	37
//	مجلس احرار اسلام کی بزم آرائی	پروفیسر نعیم مسعود	39
ادبیات:	خالد مسعود خان۔ منفرد لب ولہجہ کا شاعر	شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی	44
طنز و مزاح:	زبان میری ہے بات اُن کی	ساغر اقبالی	48
حسن انتقاد:	تبصرۂ کتب	جاوید اختر بھٹی، شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی، صبیح ہمدانی	49
اخبار الاحرار	مجلس احرار اسلام کی تنظیمی سرگرمیاں	ادارہ	56
ترحیم:	مسافرانِ آخرت	ادارہ	62

زر تعاون سالانہ

اندرون ملک ——— 150 روپے

بیرون ملک ——— 1500 روپے

فی شمارہ ——— 15 روپے

ترسیل زر بنام: نقیب ختم نبوت

اکاؤنٹ نمبر 5278-1

یو بی ایل چوک مہربان ملتان

ای میل ایڈریس

majlisahrar@hotmail.com

majlisahrar@yahoo.com

تحریک تحفظ ختم نبوۃ شعبۂ تبلیغ مجلس احرار اسلام پاکستان

مقام اشاعت: دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

رابطہ: دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

☎061-4511961

دل کی بات

وکلاء کی تحریک...... بارش کا پہلا قطرہ

۹ مارچ ۲۰۰۷ء کو صدر جنرل پرویز مشرف نے چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چودھری کو ایک صدارتی حکم کے تحت معطل کیا۔ سپریم جوڈیشل کونسل میں اُن کے خلاف ۱۷ نکات پر مبنی ایک صدارتی ریفرنس داخل کیا۔ جسٹس جاوید اقبال کو قائم مقام چیف جسٹس کا حلف اٹھوایا اور پھر اپنی معمول کی کارروائیوں میں مشغول ہوگئے۔ جناب صدر کے نزدیک یہ بھی معمول کی کارروائی تھی جسے وکلاء اور سیاست دانوں نے افسانہ بنادیا۔ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ معاملہ اتنا آگے نکل جائے گا۔

وکلاء...... پاکستان کی قانونی برادری ہے۔ آئین اور قانون کی پامالی پر وہ سراپا احتجاج بن کر سڑکوں پر نکلے۔ معطل چیف جسٹس کو سپریم جوڈیشل کونسل میں پیشی کے موقع پر بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا گیا، اُنھیں دھکے دیئے گئے اور ان کا کوٹ پھاڑا گیا۔ اس موقع پر موجود احتجاج کرنے والے وکلاء کو بھی پولیس نے اپنے روایتی تشدد کا نشانہ بنایا۔ اُن کے سر پھوڑے، کپڑے پھاڑے، بازو توڑے اور کمر پر لاٹھیاں برسا کر قانون پر عملدرآمد اور قانون کے تحفظ کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

یہ بارش کا پہلا قطرہ تھا جو حکومت کے خلاف موسلا دھار بارشوں میں تبدیل ہو رہا ہے۔ اب تک سندھ اور پنجاب کے متعدد سول جج، لاہور ہائی کورٹ کے ایک جج اور ڈپٹی اٹارنی جنرل احتجاجاً مستعفی ہو چکے ہیں۔ پاکستان بار کونسل کے فیصلے کے مطابق پورے ملک کے وکلاء عدالتوں کے بائیکاٹ پر ہیں اور سارا عدالتی نظام ٹھپ ہو چکا ہے۔ معطل چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کی بحالی کے لیے وکلاء کے احتجاجی مظاہرے جاری ہیں۔ سیاسی جماعتوں کے دو بڑے اتحاد، متحدہ مجلس عمل اور اے آر ڈی بھی اس احتجاج میں شامل ہو چکے ہیں۔ سب کا مطالبہ ہے کہ جنرل پرویز مستعفی ہوں، نگران حکومت کے تحت عام انتخابات کرا کر حکومت منتخب نمائندوں کے سپرد کی جائے۔

جمعیت علماء اسلام کے معتوب رہنما حافظ حسین احمد نے سچ کہا ہے:

> ''حکمرانوں نے ''تدفینِ عدالت'' متعارف کروا کر ''توہینِ عدالت'' کا جرم ہلکا بنادیا ہے۔ پرویز مشرف تنہا ہو چکے ہیں۔ چودھری شجاعت اگر اس وقت ملک میں ہوتے تو اس بحران پر بھی کہتے کہ ''اس پر مٹی پاؤ'' لیکن...... اب تو مٹی پانے والا بھی کوئی نہیں رہا۔''

صدر پرویز نے ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ لگا کر صدر بش سے ہاتھ ملایا تھا لیکن بش ہاتھ دکھا گئے،

صدر پرویز تنہارہ گئے کہ

دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

صدر پرویز کو معلوم تھا کہ مسٹر بش کے نزدیک......سب سے پہلے افغانستان، پھر عراق، پھر ایران اور چوتھے نمبر پر پاکستان ہے۔لیکن انھوں نے جانتے بوجھتے دھوکا کھایا اور پوری قوم کا وقار خاک میں ملایا۔امریکہ نے پہلے افغانستان کے خلاف تعاون مانگا، پھر عراق کے خلاف اور اب ایران کے خلاف لاجسٹک سپورٹ مانگ رہا ہے۔صدر پرویز ایران کے خلاف امریکہ کی مدد سے انکار کررہے ہیں۔اسی باعث موسم بدل رہا ہے۔لندن میں ہونے والی اے پی سی کیوں ملتوی ہوئی ؟صرف بی بی اور بابو ہی کیوں سر جوڑ کر بیٹھے ہیں؟ بی بی متحدہ مجلس عمل کے ساتھ بیٹھنے سے کیوں انکاری ہے؟ پیپلز پارٹی اچانک احتجاج کے لیے کیوں سڑکوں پر آئی ہے اور گزشتہ آٹھ سال کیوں نہیں آئی ؟اے آر ڈی کے رہنما شوقیہ گرفتاری کا اہتمام کیوں کررہے ہیں؟ یہ سب سوال کسی بڑی تبدیلی کا پتا دیتے ہیں۔پاکستان کا داخلی بحران اسی تبدیلی کا ہی اعلان ہے۔عدلیہ کا بحران ،معاشی بحران، سیاسی بحران اور قبائلی علاقوں میں امن وامان کا بحران مستقبل کے نئے سیاسی منظر کے ہی جلی عنوانات ہیں۔

گزشتہ مہینے امریکی سینٹ نے پاکستان کی دفاعی امداد بھی بند کردی ہے کہ بھاری امداد کے باوجود امریکہ کو مطلوبہ نتائج نہیں ملے۔ادھر امریکی سینٹ کی خارجہ امور کمیٹی کے چار سینیٹرز جوزف آر بڈن، جان ایف کیری، پیٹرک جے لیہے اور چلینج ایل لنکولن نے صدر پرویز کے نام اپنے تازہ ترین خط میں اُن سے مطالبہ کیا ہے کہ:

☆ شفاف انتخابات کرائے جائیں۔

☆ نواز شریف اور بے نظیر کو شرکت کی اجازت دی جائے۔

☆ صحافیوں اور حکومت مخالف افراد کو ہراساں کرنا بند اور ملوث افراد کے خلاف کاروائی کی جائے۔

☆ ۲۰۰۲ء کے انتخابات میں لوگوں کی بلا جواز گرفتاریاں، ناروا سلوک اور ناقدین پر دباؤ کی شکایات ملی ہیں۔

حکومت نے اس خط کو ملکی معاملات میں مداخلت قرار دیا ہے۔اے کاش! یہی احساس افغانستان کے خلاف امریکہ کے ساتھ تعاون کا فیصلہ کرتے وقت پیدا ہوجاتا تو آج صدر پرویز کی تنہائی اور بے بسی کی یہ کیفیت نہ ہوتی۔قوم اُن کے ساتھ ہوتی اور امت اُن کی مونس وغم خوار ہوتی۔

وکلاء، سیاست دانوں پر بازی لے گئے۔چیف جسٹس بحال ہوتے ہیں یا نہیں لیکن یہ بات طے ہے کہ جسٹس افتخار محمد چودھری جس پر بھی گرے اس کا خانہ خراب کردیں گے:

قول سچا ہے جو بوؤ گے سو کاٹو گے
ہے یہ گنبد کی صدا ، کان لگا غور سے سن

مفکرِ احرار چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

تکمیلِ دین اور ختمِ نبوت

مشیت ایزدی نے دنیا کے کامل انسان پر دینِ حق کی تکمیل کر دی۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی عمارت کے آخری معمار قرار پائے۔ ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ'' (آج میں نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا اور تم پر نعمت پوری کر دی) کے جانفزا پیغام کا معنیٰ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ''لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ'' (میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا) کے ارشاد سے واضح کر دیا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین اسی لیے قرار دیئے گئے کہ ان کے بعد نئی نئی تعلیمات اور نئے نئے رسولوں پر بنی نوع انسان تقسیم در تقسیم ہونے سے بچ جائے۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے ساتھ ہی دنیا کی تمام ترقیوں کے راستے کھل گئے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وجود باوجود کا اعجاز ہے کہ آپ کے ظہور کے ساتھ ملکوں اور قوموں میں باہم میل جول اور ربط وضبط کے مواقع پیدا ہو گئے۔ زمانہ بتدریج ترقی کرتا کرتا یہاں تک پہنچ گیا کہ لاکھوں میلوں کی مسافت دنوں میں طے ہونے لگی اور برسوں کے سفر گھنٹوں میں طے ہونے لگے۔ اسلام کا یہ دعویٰ کہ میں تمام زمانوں اور تمام قوموں کے لیے ایک ہی مشترکہ پیغام لایا ہوں۔ حالات اور واقعات سے سچ ثابت ہونے لگا۔ اسلام سے قبل دنیا کے حالات ایسے تھے کہ مشترکہ تربیت ناممکن تھی۔ چنانچہ زمانہ کے حالات کے مطابق نبی الگ الگ قوموں اور ملکوں کے لیے مبعوث ہوتے رہے کیونکہ اپنے ملک کے باہر دعوت واشاعت میں ناقابل عبور مشکلات تھیں تا آنکہ رحمتِ حق جوش میں آئی۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ اس شمع کے نور سے دنیا میں روشنی پھیلی۔

اب دنیا کو معلوم ہوا کہ اختلافِ مذہب کی بناء پر انسان گروہوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ اس لیے ہر شخص نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ دنیا کو ایک مشترکہ مذہب کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ اب زمانے کے حالات اتنے بدل چکے ہیں کہ لوگ یوں بھی اختلافِ مذہب کی بناء پر ایک دوسرے کو جہنمی قرار دینے کو ناپسند کرتے ہیں۔ گویا زمانہ نئے نئے نبیوں کے دعووں کی بناء پر گروہ در گروہ تقسیم ہونے سے بالکل انکار پر آمادہ ہے۔ اب زمانہ کی سپرٹ کو ''لانبی بعدی'' کے ارشاد اور ''اکملت لکم دینکم'' کے ربانی حکم کو ملا کر پڑھو تو منشائے ایزدی صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور ان پر دین کی تکمیل سے اس زمانہ کی سپرٹ اور ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم میں اس زمانے کے حالات اور اس زمانے کے انسانوں کی سپرٹ پورے طور سے موجود تھی۔ یا یوں کہو کہ آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام دنیا کے لوگوں میں خود بخود یہ سپرٹ پیدا کر دی کہ اب تمام دنیا ایک ہی پیغام اور ایک ہی پیغامبر کے تابع ہو جائے اور ادھر تکمیل دین کی آیت اتری۔ ''لانبی بعدی'' سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرما دی۔ ساتھ ہی آنے والے زمانے کی سپرٹ نے ''لانبی بعدی'' اور ''اکملت لکم دینکم'' کی تصدیق کر دی۔

مرزائی کہتے ہیں کہ بابِ نبوت کے بند ہونے کے دعویٰ کے یہ معنیٰ ہیں کہ اللہ کی رحمت کا دروازہ بند ہوگیا۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ لوگوں کو رشد وہدایت کے لیے نبیوں کا ظہور تا قیامت ضروری ہے۔ دیکھو! سلامتی کے مذہب یعنی دینِ اسلام میں ایک حد تک اس ضرورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یعنی مجدّدوں کے آنے کا اقرار موجود ہے۔ مگر مرزا صاحب اس کے مصداق نہیں ہیں لیکن کسی ایسے نبی کے آنے کا انکار ہے۔ جس کے دعویٰ کے بناء پر اس کے نہ ماننے والے لوگ قابلِ مواخذہ سمجھے جائیں گے۔ غور کرو کہ بنی نوع انسان کیلئے اسلام کی پیش کردہ صورت باعثِ رحمت ہے یا مرزائیوں کا مذہبی دعویٰ دنیا کے لیے بہتر ہے کہ مرزا غلام احمد یا اسی قسم کے بعد کے آنے والے نبیوں پر ایمان نہ لانے والا کافر ہے۔ بعض اوقات دانا بھی بیوقوفوں کی سی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ مرزائیوں میں سے اکثر اس دعویٰ کے بودا پن کے قائل ہیں۔ یعنی ایک خاص جماعت لاہوری مرزائیوں کے نام سے مشہور ہے۔ اسی بناء پر مرزا صاحب کی نبوت سے منکر ہے۔ لیکن قادیانی مرزائیوں میں سے تعلیم یافتہ طبقہ مرزا صاحب کو نبی مان کر نا صرف عالمِ اسلام بلکہ زمانہ بھر کیلئے مذاق کا باعث بن رہا ہے۔ اگر اسلام کے اصول اور زمانہ کی سپرٹ کے خلاف مرزائیوں کی طرح یہ تسلیم کرلیا جائے کہ بابِ نبوت تا قیامت کھلا رہے گا اور آنے والے نبی پر ایمان نہ لانے والا جہنمی قرار دیا جائے گا۔ تو غور کرو نسلوں کی نسلیں یونہی کفر کی موت مریں گی اور نبیوں کے حلقۂ احباب سے باہر سب دنیا جہنم میں جائے گی اور بار بار نسلِ انسانی بیش از بیش مذہبی گروہ میں تقسیم ہوتی چلی جائے گی اور مذہبی تنازعوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔

قادیانی کہتے ہیں کہ نبوت کے دروازے کا بند کرنا ایک انوکھی بات ہے۔ حالانکہ وہ اس انوکھی بات کے قائل ہیں کہ اسلام اور اسلام کے بانی کی دعوت تمام دنیا اور قیامت تک کے لیے ہے۔ اب اس تعلیم میں کمی کی گنجائش نہیں۔ جب ایک نبی برخلاف تمام پچھلے نبیوں کے تمام دنیا کے لیے اور تمام زمانوں کے لیے آچکا تو پھر کسی نئے مدعیٔ نبوت کی ضرورت ہی پیدا نہیں ہوتی۔ ہاں اگر مرزائی حضرات اس امر کا باطل دعویٰ کریں کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی مخصوص ملکوں اور مخصوص قوموں کے لیے آئے‘ اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک قوم یا کسی ایک خاص ملک کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ اور جناب مرزا کسی اور ملک اور کسی اور قوم کے لیے نازل ہوئے اور خاص خاص ملکوں اور قوموں کی ہدایت کے لیے خاص نبیوں کو بھیجنے کی سنت ابھی جاری ہے۔ لیکن وہ ایسا تسلیم نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام قوموں اور تمام زمانوں کیلئے آفتابِ ہدایت ہیں تو اس آفتاب کے سامنے مرزائیوں کا دیا جلانا بے شک بے عقلی کی بات ہے۔ اسلام کا یہ دعویٰ کہ تمام آنے والی نسلوں اور زمانے کی ضرورتوں کا کفیل ہے اور قرآن پر مسلمانوں اور قادیانیوں کا مشترکہ یقین کہ اس کے مخاطب تمام قومیں، تمام نسلیں اور تمام آنے والا زمانہ ہے۔ اس اعتقاد کو ختم کر دیتا ہے کہ نبوت کا باب بدستور کھلا ہے۔

کاش! مرزائی اتنی موٹی بات کو سمجھیں کہ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ وہ تمام ملکوں اور قوموں کے لیے مشعلِ ہدایت ہیں اور قرآن تا قیامت مؤمنین کی جان کا نور رہے گا تو بابِ نبوت کا وا سمجھنا سوائے فتنے کے دروازے کھولنے کے اور کیا مطلب رکھتا ہے؟

عزیزو! اس سچی بات پر یقین رکھو کہ اسلام تمام قوموں، تمام ملکوں اور تمام زمانوں کے لیے بہترین دستورِ عمل ہے۔ اس لیے اس پیغام کو لانے والا تمام قوموں اور تمام ملکوں کے لیے واجب التسلیم پیغمبر ہے۔ عقلِ انسانی اور ضرورتِ

زمانہ کوتو اب اس بات پر اصرار ہے کہ قومیں نئے نئے نبیوں کے دعووں کی بناء پر گروہوں میں تقسیم نہ ہوں۔ دنیا کا ایک ہی مشترک مذہب جو امن وسلامتی اور بنی نوع انسان کے اتحاد کا ضامن ہو یہ مذہب اسلام ہے۔ اس کولانے والے کے فیض کو تمام زمانوں کے لیے کافی قرار دیا جائے۔

میری بحث کے تین جزو ہیں:

اوّل...... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس قدر نبی مبعوث ہوئے وہ خاص خاص قوموں اور خاص خاص ملکوں کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ ان کا فیض عام نہ تھا۔ یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی جو ''رحمت اللعالمین'' کہلائے اور تمام دنیا کے لیے ہادی قرار پائے۔ اس دعویٰ کی بناء پر عقل کو تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبوت کی ضرورت نہیں رہتی۔

دوم...... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کلام اترا وہ تمام نسلوں اور تمام زمانوں کے لیے بہترین دستورِ عمل ہے اور اس کلام کی محافظت کی ذمہ داری خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ذات پر لی ہے۔ لاکھوں قرآن پاک کے حفاظ اس کے شاہد وعادل ہیں۔ اس لیے ایسی ہمہ گیر اور تا قیامت باقی رہنے والی تعلیم دینے والا نبی آخر الزماں نبی کہلا سکتا ہے اور اس کے بعد کسی نبی کے آنے کا خیال باطل ہے۔

سوم...... بار بار نبیوں کے آنے اور ملک ملک اور قبیلے قبیلے میں پیغمبروں کے آنے کی سرے سے ضرورت ختم ہو چکی ہے۔ کیونکہ اللہ کے فضل اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے زمانہ ترقی کے ان مراحل پر پہنچ چکا ہے جہاں ایک مذہب اور ایک حکومت اور ایک زبان کی ضرورت تسلیم کی جارہی ہے۔ زمانہ زبانِ حال سے مذہبی گروہ بندیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہا ہے۔ اس لیے منشائے ایزدی' بنی نوع انسان میں جاری اور طاری سپرٹ سے ظاہر ہو رہا ہے اور وہ یہی ہے کہ آئندہ نسلِ انسانی نئے نئے نبیوں کے دعووں کی بنا پر گروہوں میں تقسیم نہ ہو۔ بلکہ ایک ہی سلامتی کے مذہب کو قبول کریں اور ایک سلامتی کے شہزادے کی حکومت کو تسلیم کریں اور وہ سلامتی کا مذہب اسلام ہے اور اس کے شہزادہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

مرزائیت اور کمیونزم:

صرف سرمایہ ہی طبقات پیدا نہیں کرتا بلکہ انسانوں میں گروہ بندی کرنے والے اور بھی محرکات ہیں۔ ان سب سے بڑا ذریعہ مختلف نبیوں پر ایمان ہے۔ قومیں خدا پر ایمان کے نزاع پر مختلف نہیں بلکہ مختلف نبیوں پر ایمان لانے کے باعث الگ الگ ہیں۔ پہلے آمد ورفت کے وسائل میں کمی کی وجہ سے ہر ملک ایک الگ دنیا تھی۔ الگ الگ پیغمبروں کے ذریعہ ہر ملک کی روحانی تربیت ضروری تھی۔ ایک ملک میں بیٹھ کر سب ملکوں میں پیغام نہ پہنچایا جا سکتا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دین مکمل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''لانبی بعدی'' (میرے بعد کوئی نبی نہیں) کا اعلان کر کے دنیا کو اتحاد کا مژدہ سنایا کہ آئندہ نبیوں کی بناء پر قوموں کی تربیت ختم ہوگئی۔ آؤ! ایک محکم دین کی طرف آؤ۔ یہ سب کے حالات کے مطابق ہے۔ اسلام تمہارے سارے عوارض کا مکمل نسخہ ہے۔ زمانے نے دیکھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بتدریج دور دور کے

ملک آمد و رفت کے سلسلوں میں آسانیوں کے باعث نزدیک تر ہوتے گئے۔اب تو دور دراز ملک ایک شہر کے محلوں سے بھی قریب معلوم ہونے لگے ہیں۔اس لیے ملک ملک کے لیے علیحدہ پیغمبر کی ضرورت نہ رہی تھی۔اب انسانی دماغ کافی نشو ونما پا چکا تھا۔لوگ اپنا بھلا برا خود سمجھنے لگے ہیں۔اب ایک سچائی پیش کرنا کافی ہے۔باقی معاملہ لوگوں کی سمجھ پر چھوڑ نا کفایت کرتا ہے۔مذہب کی سچائی اب سمجھ سے بالا نہیں بلکہ تعصب کے باعث سے قبول کرنے میں دقت ہے۔دنیا نے دیکھ لیا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آتے ہی اہلِ دنیا کی عقل اور علم نے حیرت انگیز ترقی کی۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے معنیٰ یہ تھے کہ اب انسانیت سنِ شعور کو پہنچ چکی ہے۔اب کسی سکول ماسٹر کی ضرورت نہیں۔جو لوگ دنیا کے حالات کا مطالعہ کر سکتے ہیں وہ سچی اور جھوٹی بات میں فرق کر کے صحیح راہ تلاش کر سکتے ہیں۔اب مکمل سچائی یعنی اسلام ہم تک پہنچ گیا اب کسی نبی کی ضرورت نہ رہی۔اگر ہم نبوت کا سلسلہ جاری مان لیں تو پھر مختلف نبیوں پر ایمان کے باعث قوموں ملکوں پر اور انسانیت میں تقسیم در تقسیم کا عمل جاری رہے گا۔پہلے تو ملک ملک ایک الگ دنیا تھی۔الگ الگ نبیوں کی ضرورت تھی اب جب دنیا سمٹ کر ایک کنبہ میں رہتی ہے تو نبوت کے مختلف دعوے داروں کا آنا دنیا کو بلا ضرورت تقسیم کرنے سے کم نہ تھا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ''لا نبی بعدی'' کا ارشاد دنیا کے لیے رحمت کا پیغام اور انسانیت کے لیے خوشخبری تھی۔

ہندوستان کی سرزمین عجیب ہے۔قادیان میں مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا۔تیس چالیس برس مسلمانوں کی توجہ تعمیری کاموں کی بجائے اس متنبّی کی طرف لگی رہی۔ایک حصہ کٹ کے الگ ہو گیا۔انگریزی حکومت کے زیرِ سایہ جہاں چھوٹے بڑے راجے نواب پرورش پا کر سرکار کے گن گاتے ہیں۔اسی طرح حکومت کو اعتراض نہ تھا' اگر متعدد نبی اور کئی ایک سرکاری ولی پیدا ہو کر ان کے دعا گو بنے رہیں۔انھیں امورِ سلطنت میں سہولت درکار تھی۔مسلمانوں کو قابو میں رکھنے کی تدبیروں میں سے یہ بھی حکومتِ انگریزی کی کارگر تدبیر تھی کہ روحانی اداروں پر ان کے ہوا خواہ قابض ہوں اور یوں سرکارِ انگریزی کی وفاداری مسلمانوں کا جزوِ مذہب بن جائے۔پنجاب اور سندھ میں ہر پیر خانہ سرکاری تعلق داری اور وظیفہ خواری پر پرورش پا رہا ہے۔یہ تو پیر تھے مگر حکومت کو قادیان کا پیغمبر ہوا خواہی کے لیے مل گیا۔مسلمان سیاسی اور مذہبی طور پر انگریزی غلامی پر مطمئن ہو گئے۔مسلمانوں کی موجودہ مدہوشی کی بڑی وجہ انگریز کی یہ کامیاب تدبیر ہے۔پھر تو ساری اسلامی آبادی حکومت کی منقولہ جائداد بن کر رہ گئی تھی۔جہاں سے اٹھائیں جہاں ڈالیں مخالف کی ایک آواز نکالنا مشکل تھی۔انگریزی حکومت کی سب سے زیادہ حمایت قادیان کی جماعت کو حاصل تھی۔یہ تائید اتنی زیادہ تھی کہ اکثر محکموں میں وہ بہت اثر و رسوخ کے مالک ہو گئے۔بعض جگہ تو سارے کا سارا ضلع ان کے اثر و رسوخ میں آ گیا۔لوگ حکومت کی تائید حاصل کرنے کے لیے قادیانی کی تائید حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔محکمہ سی۔آئی۔ڈی تو الگ رہا قادیانی مرزائی' حکومت کو تفصیلی خبریں پہنچاتے تھے۔حکومتِ وقت کے خلاف آزادی کی ہر آواز کو دبانے کے لیے اس جماعت کے افراد سب سے پیش پیش تھے۔اسی لیے لوگ قادیانی آواز کو حکومت کی آواز کی صدائے بازگشت سمجھتے تھے اور بے حد خائف تھے۔یہ لوگ معمولی آئینی ایجی ٹیشن کو بڑھا چڑھا کر سرکار کے دربار میں بیان کرتے تھے۔انتخابات میں حال یہ تھا کہ ہر امیدوار قادیان کی حمایت حاصل کرنا

ضروری سمجھتا تھا۔ جسے یہ تائید حاصل ہوگئی اسے گویا سرکاری تائید حاصل ہوگئی۔ پس قادیانی تحریک کی مخالفت سیاسی اور مذہبی دونوں وجوہات کی بنا پر تھی۔ جس اسلامی جماعت نے مسلمانوں کو آزاد اور توانا قوم دیکھنے کا ارادہ کیا ہوا سے سب سے پہلے اس جماعت سے ٹکرانا ناگزیر تھا۔ اس جماعت کے اثر ورسوخ کو کم کیے بغیر آزادی کا تصور کرنا ممکن نہ تھا۔ شاید ہماری آئندہ نسلیں قادیانیوں کے خلاف ہماری جدوجہد کی قدروقیمت کا اندازہ لگانے میں اس طرح کی غلطی کھائیں۔ جس طرح مذہب سے بیزار اور اشتراکیت کا شیدائی کھا رہا ہے۔ تعجب ہے کہ اقتصادی مساوات کے حامی لوگ صرف ہمارے مذہبی رجحانات کو دیکھتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ احرار سرمایہ داری کے مضبوط قلعے پر حملہ آور ہیں۔

مسلمان مرزائیوں کے خلاف صف آراء کیوں ہیں؟

☆ ہم اس امتِ مرتدہ کے بحیثیت انسان مخالف نہیں نہ ان کی عزت وآبرو کے دشمن ہیں لیکن ان کے مکروفریب اور دجل وتلبیس سے بچنا ہم اپنا قدرتی حق سمجھتے ہیں۔

☆ یہ لوگ سیاسی طور پر مسلمانوں کے ساتھ صرف اس لیے رہنا چاہتے ہیں کہ عام مسلمانوں کے حقوق سے فائدہ اٹھائیں۔ لیکن ان کا مذہبی اور معاشی مقاطعہ کر کے نہ صرف اپنی علیحدہ قوت تعمیر کرتے بلکہ مسلمانوں کی دینی وملی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ خواہ ظلّی ہو یا بروزی نہ صرف اسلام پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ مسلمانوں میں انتشارِ عظیم پیدا کرنے کا بھی باعث ہے۔

☆ یہ لوگ برٹش امپریلزم کے کھلے ایجنٹ ہیں۔

☆ مسلمانوں میں ففتھ کالم کے طور پر کام کرتے ہیں۔

☆ ان کا وجود مسلمانوں کی داخلی زندگی کے لیے اسرائیل سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

☆ انگریزوں نے مرزائیوں سے مسلمان ملکوں کی جاسوسی کا کام لیا ہے۔

☆ انھوں نے انگریزوں کی غلامی کے لیے نبوت کا ذبہ کا کھٹ راگ رچا کر الہام کی زبان میں سند مہیا کی ہے۔

☆ انھیں مسلمانوں کی جمعیت سے حذف کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ان کا وجود نہ صرف مسلمانوں کے تمام فرقوں کی نظر میں خارج از اسلام ہے بلکہ ان کی اپنی تحریروں میں درج ہے کہ یہ اپنے سوا تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ جب یہ تمام مسلمانوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے تو پھر مسلمانوں میں شامل رہنے پر مصر کیوں ہیں؟

☆ انھوں نے مسلمانوں کی مقدس مصطلحات کو اپنے حاشیہ برداروں اور اپنے گماشتوں پر استعمال کر کے نہ صرف ان الفاظ کی قدروقیمت کو ہلکا کیا ہے بلکہ اس تقدس اور پاکیزگی کو بھی عاجز کیا ہے جو ان الفاظ اور مصطلحات سے وابستہ ہیں۔ جو مسلمان اس امتِ مرتدہ کو مسلمانوں کا جزوخیال کرتے ہیں اور ان کے وسائل سے مرعوب ہو کر اس تحریک کو محض احرار کی تحریک سے تعبیر کرتے ہیں وہ اسلام اور نفسِ اسلام کے تقاضوں کو نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح انسان کا ذاتی معاملہ ہے اور یہی وہ نقطۂ نگاہ ہے جس سے مرزائیت کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابدی و آفاقی اعلانِ رسالت و ختم نبوت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعاً (الاعراف۔آیت:۱۵۸)

اے انسانو! تحقیق بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کے لیے۔

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا کہ وہ اپنی رسالت کا اعلان فرمائیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے سکھائے ہوئے لفظوں کو دھرایا اور تمام انسانوں کو مخاطب بنایا۔ وہ انسان جو عہدِ رسالت مآب میں زندہ تھے یا عہدِ رسولِ مبین کے بعد پیدا ہوئے یا ازمنہ وسطیٰ میں صفحۂ ارضی پر اپنے اعمال کی چھاپ چھوڑ گئے یا قیامت تک آنے والے انسان جو اپنی عملی زندگی کے نشانات کتابِ ارضی میں ثبت کریں گے، وہ سرخ و سفید ہوں، کالے ہوں یا گندمی، عرب ہوں یا عجمی سبھی اس خطاب کے مخاطب ہیں۔ یہ خطاب رسولِ زمان و مکان کی قید سے آزاد اور قومیت و وطنیت سے بھی ماوراء ومنزہ ہے۔

اور وہ انسان بھی جو کسی نسبت کے مقید ہیں یعنی یہودی، عیسائی، صابی، مجوسی، زرتشتی، بدھسٹ، بالمیکی، ہندو، مظاہر پرست، نجوم وکواکب پرست، اصنام پرست، اشخاص پرست، اور وہ مخلوق بھی جسے عہدِ جدید کی تحقیقات انسان کہے۔ برفانی انسان (اگر وہ انسان ہے) سب اور اس کائنات میں جہاں کہیں بھی زمینوں، آسمانوں میں انسان نام کی کوئی مخلوق دریافت ہو وہ سب اس خطابِ عام میں شامل ومخاطب ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطاب قیامت تک اس فضاء بسیط میں گونج رہا ہے۔

جدید تحقیقات نے اب یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ماضیٔ قریب و بعید کی تمام آوازیں فضاء میں موجود ہیں اور محفوظ کی جاسکتی ہیں۔ اس حوالہ سے بھی یہ صدائے اعلانِ رسالت ہر لحہ و ہر آن صوتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقی لہروں سے فضا میں ارتعاش پیدا کر رہی ہے اور بار بار یہ اعلان اپنی پکار، اپنی نوعی اور معنوی دعوت کی طرف متوجہ کر رہا ہے کہ اے زمین و آسمان میں بسنے والے انسانو! اے تمام زمانوں کے انسانو! اے تمام مکانوں کے انسانو! میں تم تمام کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

اس آیت کریمہ کا اعلان عام ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کی بڑی روشن دلیل ہے کہ جب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت تمام زمانوں اور مکانوں کے انسانوں کے لئے ہے اور ایسا کوئی زمانہ ہے نہ ایسی کوئی جگہ ہے جہاں جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور عصمت و امامت کا علم نہ لہرایا گیا ہو اور جہاں یہ اعلانِ رسالت براہِ راست یا بالواسطہ نہ پہنچا دیا گیا ہو اب کسی زمانہ و کسی جگہ میں کوئی نبی پیدا ہوگا تو کیوں؟ اس کی ضرورت کیا ہے؟ وہ آکر کیا کرے گا؟ کیا سنائے گا؟ کیا سکھائے گا؟ کس کا تزکیہ کرے گا؟ کسے حکمت سکھائے گا؟ کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ رسالت سے بڑھ کر کوئی نیا اعلان کرے گا؟ یا وہ اس اعلان کے مساوی رتبہ پا کر اعلان کرے گا؟ یا وہ اس سے کمتر درجہ پر فائز

ہوکر اعلان کرے گا؟ ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ماضی میں کوئی نہ بڑھ سکا، آپ کے عہدِ خیر وبرکت میں کوئی برابر نہ ہو سکا۔ کسی کا چراغ نہ جل سکا، برابر ہونا اور چراغ جلانا تو بڑی بات ہے۔ اس پورے عہد میں کوئی بھی نہ ٹھہر سکا۔ بہتوں نے سر توڑ کوشش کی۔ لسانی، جسمانی اور مادی توانائیوں سے لیس ہوکر بیسیوں مدمقابل ہوئے مگر ''فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْل'' (سورۃ الفیل) وہ کھائے ہوئے بھوسے کی طرح بنا دیئے گئے اور جو آپ سے رتبہ میں چھوٹے تھے وہ سب کے سب اللہ نے ماضی میں نبوت ورسالت کے ابتدائی وارتقائی مراحل میں بھیج دیئے۔ وہ آئے اور صرف اپنی قوموں کو سنوارنے کے لیے آئے اور ان سب سچوں نے (علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات) نے اپنی اپنی نبوت ورسالت کی راجدھانی میں ادائیگی فرض میں ان کمالاتِ فائقہ کا مظاہرہ کیا اور ایسی مضبوط وقوی جدوجہد فرمائی اور ایثار وقربانی کے ایسے نقوش جریدۂ عالم پہ ثبت کیے کہ انسانی مزاجوں کی ارضِ ناہموار ایک بہت بڑے آنے والے کے لیے ہموار کر دی اور ان تمام انبیاء صادقین (علیہم الصلوٰۃ والسلام) نے پنے اپنے عہد میں اس سب سے عظیم وبزرگ آنے والے کی بشارتیں بانٹیں، حسنِ مستقبل کی خوش خبری دی۔

یَأْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ (سورۃ الصّف: آیت ۶)

میرے بعد (اب) جس نے آنا ہے ان کا نام نامی ہے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

جب پوری انسانیت کو ایک کے انتظار میں سنوارا سجایا اور وہ آنے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے۔ جو سب سے اعلیٰ تھے۔ جو نبوت ورسالت کے ارتقاء وکمال کی انتہاء تھے۔ اب اگر کسی نے آنا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ چڑھ کر آئے۔ اب جو آپ سے کم تر درجہ کا پیدا ہو تو عروج سے زوال کی طرف آنے والی بات ہے اور عظمت سے پستی کی طرف آنے کا تصور بھی کونین کی ہلاکت کے مترادف ہے۔ چہ جائیکہ سب چھوٹوں سے بھی چھوٹا نہیں چھوٹا ہی نہیں حقیر اور صرف حقیر نہیں حقیر ترین ہمیں اپنی حقیر ترین شخصیت کی طرف بلائے۔ اس امت کی اس سے زیادہ بے عزتی اور کیا ہو سکتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے بڑی توہین اور کیا ہو سکتی ہے کہ انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شمولیت کو فخر سمجھیں اور اپنے امتیوں کو حضور کی اتباع میں دیکھ فرحت وانبساط کا اظہار کریں اور ایک حقیر ترین شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت گرامی کو اپنی اتباع کی طرف پکارے۔ بغاوت اور کسے کہتے ہیں یہی تو بغاوت ہے۔ نبوت ورسالت محمد کی، عباءِ ختم نبوت محمد کی، امت محمد کی اور اطاعت مرزا غلام احمد کی! (لعنۃ اللّٰہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واعوانہٖ وانصارہٖ)

ببیں کہ از کہ بریدی وبا کہ پیوستی

اب انسان اس چھوٹے، کھوٹے اور جھوٹے موٹے کے پیغامِ نافرجام کے منتظر ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ......قیامت تک، آپ کی رسالت...... قیامت تک، آپ کی امامت...... قیامت تک، آپ کی امت......(وہ تمام انسان جو قیامت تک آئیں گے) قیامت تک، تو مسٹر گاما قادیانی کس نسل کے لئے ہے؟ اور کس زمانے کے لئے ہے؟ اور وہ بحیثیت مجدد مہدی خلیفہ و امام اور بحیثیت نبی کیا کرے گا آ کر؟ کیا دین میں کوئی کمی ہے جسے وہ پورا کرے گا آ کر؟ کیا نبوت میں کوئی نقص تھا جس کی اس نے تکمیل کرنی ہے؟ کیا انسان دینِ اسلام اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سیر ہو چکے ہیں؟ (معاذ اللہ) جو گاما ان کی پیاس بجھائے گا:

حضرتِ ناصح جو آئیں دیدہ و دل فرش راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھائے کہ سمجھائیں گے کیا

اب تو جو بھی اس وادی میں قدم رکھے گا ذلیل ورسوا ہوگا۔ منہ کے بل گھسیٹا جائے گا۔ پھر قرآن حکیم میں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت وآمد کا ذکر سابقہ نبیوں نے فرمایا۔ اگر حضور علیہ السلام کے بعد بھی سلسلۂ نبوت ورسالت باقی رہنا ہوتا تو یقیناً قرآن کریم میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی اس کی تفصیل بیان ہوجاتی تو ہم سمجھتے کہ ابھی نبوت تکمیل کے مراحل میں ہے اور ابھی یہ اپنے عروج، کمالِ ارتقاء، اور منتہاء مقصود تک نہیں پہنچی۔ مگر ایسا ہرگز نہیں ہوا بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نبوت ورسالت کو ارتقاء کی تمام گھاٹیوں، منزلوں اور مرحلوں سے گزار کر عروج وکمال کی انتہاء تک پہنچا کے یہ سلسلہ مکمل کردیا۔

اَلْیَومَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المائدہ: آیت ۳)

آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی۔

یعنی دونوں چیزیں اپنے کمال پر پہنچ چکی ہیں ان میں کوئی کمی، نقص، عیب، ضعف وکمزوری یا نارسائی کی کوئی بات نہیں رہی۔ نبوت ورسالت اور پیامِ نبوت ورسالت دونوں اللہ کی طرف سے ہدایت کے لیے بے مثال وباکمال ہیں۔ اب نہ تو کوئی پیام باقی ہے جو نازل کیے جانے کے قابل ہے۔ اور نہ ہی کوئی ایسا شخص ہے جو نبوت کا اہل ہے اور امام الانبیاء وخاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے بڑے بلیغ پیرائے میں یہ اعلان کرنے کو فرمایا۔ چنانچہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا:

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِن رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُولَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّیٖنَ (الاحزاب: آیت ۴۰)

محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے (یا نبیوں پر مہر)

اللہ پاک نے اس آیتِ کریمہ میں حقیقتِ باطنی کو الفاظ کے ظاہری جسم میں منتقل فرمادیا کہ میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ نبوت نے اپنے تمام مراحل کا عبوری سفر کرکے اپنی منزل پالی ہے اور یہ تو صدیوں کا سفر کرکے یہاں پہنچی ہے اور منزل پر پہنچنے کے بعد کون ہے جو اس منزل سے نکلے اور کون ہے جو عظمتوں کی بلندی کے بعد ذلتوں کی پستی میں اترے۔

بعض لوگ غلام احمد کی ابلیسی تاویلات کو پیش کرتے ہیں اور اس کے ماننے والے موذی بھی لباسِ تاویل میں ملبوس اور دھوکہ وفریب میں مصروف نظر آتے ہیں وہ اس آیتِ کریمہ کے مضمون میں مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تو چار لڑکے تھے اور تم کہتے ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تم میں سے کسی کے باپ نہیں۔

حالانکہ جواب قرآن کے لفظوں میں موجود ہے من رجالکم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں۔ بچوں کے باپ کی نفی نہیں فرمائی۔ مرد کی نسبت نفی ہے۔ ظاہر ہے حضور علیہ السلام چار بچوں کے والد ماجد تو تھے جو بچپن میں ہی موت نے آلیے اور وہ مرد نہ بن سکے۔ مرد تو علی المرتضیٰ بنے اور ظاہر ہے وہ بیٹے نہیں (چچازاد) بھائی تھے۔ زید اور اسامہ رضی اللہ عنہما یہ سب امتی اور غلام ہی تو تھے، صلبی اولاد نہ تھے۔ اور اگر کوئی اس پر اصرار کرے کہ علی، زید، اسامہ یا کوئی اور اولاد ہی تھے تو قرآن کریم نے اس کی نفی فرمادی۔

وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَاءَ کُمْ اَبْنَائَکُمْ ذَالِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاھِکُمْ (سورۃ احزاب: آیت ۴)

تم جنھیں منھ سے بیٹا کہہ کے پکارو وہ تمہارے بیٹے نہیں بلکہ یہ تو صرف منہ کی بات ہے

ویسے عظمت ورحمتِ نبوت کی عمومیت کے اعتبار سے تو آپ ساری امت کے مرد وزن کے والدِ ماجد ہیں۔ سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر قیامت تک کے پیدا ہونے والی نسلِ آدم اولا د رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے (عظمۃً) یہ بھی ایک مفہوم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ عالی کا۔ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ (مشکوٰۃ: ص ۵۱۱)

''بے شک تحقیق میں تمہاری اکثریت پر دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا۔''

مرزائیوں کا نامعقول اور تلبیسی عمل یہ بھی ہے کہ جو مسلمان دینی تعلیم کی نعمت سے محروم ہیں۔ زبان و بیان، لغت اور گرائمر تک سے قطعاً ناآشنا ہیں گو جدید تعلیم یافتہ ہیں اِنھیں لفظ ''خَـاتِمْ'' کے لغوی معنیٰ میں الجھا کر چت کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اس صدی کے ہمارے اسلاف امام المحد ثین حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑوی، امام المناظرین حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری، امیر المناظرین حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری، مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی اموی، (رحمہم اللہ تعالیٰ) اور دیگر بزرگانِ ملت و رہنمایانِ امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) نے اس موضوع پر اس قدر علمی خدمت کی ہے کہ عام اردو پڑھنے والا مسلمان بھی اگر تھوڑی سی توجہ کرے تو یہ مشکل نہایت آسان ہو جاتی ہے۔

(۱)......لفظ ''خَاتَمِ'' اگر زبر اور زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی ہیں نگینہ اور مہر جس پر نام یا عبارت کندہ کرائی جائے۔

(۲)......''خاتِمَ'' زیر اور زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا معنیٰ انگوٹھی بھی ہے۔

(۳)......زیر اور زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو آخرا القوم' قوم کا آخری فرد بھی اس کا معنیٰ ہے۔

(۴)......زیر اور زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو گھوڑے کے پاؤں کی سفیدی کو بھی کہتے ہیں۔

(۵)......زیر اور زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی گدی کے نیچے کا گڑھا ہے۔

(لسان العرب، تاج العروس، صحاح جوہری، قاموس، منتہی الادب وغیرہ دیکھئے)

اب مرزائی بتائیں ان پانچوں معنوں میں سے کون سا معنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال کرنا وہ پسند کرتے ہیں، ان معنوں میں سے کوئی معنی باعتبارِ فصاحت و بلاغت، اور زبان و بیان کے قواعد و ضوابط کی رو سے ادبِ جاہلی سے لے کر آج تک کوئی ایک شعر، ایک جملہ، ایک قاعدہ و ضابطہ بیان کریں جس سے کسی عام انسان کو ان مذکورہ بالا معنوں سے منسوب کیا گیا ہو چہ جائیکہ ان معنوں سے انبیاء کے امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا، لکھا اور پڑھا جائے۔ میرا تو خیال ہے کہ عربی زبان کی بلاغتوں اور نزاکتوں کے شناسا کفار بھی یہ حماقت کبھی نہ کریں جو غلام احمد نے کی۔

لیجئے اب لفظ ''خاتم'' کے وہ معنی بھی ملاحظہ فرمائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و مجدُ کے مناسب ہیں اور عقل و شعور کو جلا بخشتے ہیں۔

(۱)......لفظ ''خاتِم'' کو اگر زیر سے پڑھا جائے تو یہ اسم فاعل ہے جس کے معنی ہیں ختم کرنے والا اور اگر

(۲)......لفظ ''خاتَم'' کو زبر سے پڑھا جائے تو اس کے معنیٰ ہیں مہر

زبان کو اہلِ زبان ہی جانتے ہیں اور اہلِ علم و عقل، ماہرینِ اَلسنہ کی بات کو ہی وزن دیتے ہیں۔ اہلِ عرب نے لغتِ عرب کی جس طرح چھان پھٹک کی ہے وہ پوری کائنات میں منفرد ہے اور ماہرین لسانِ عرب' عجمیوں نے بھی اس زبان کی جس قدر خدمت کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے لیکن انھوں نے بھی عربی زبان کے ملفوظات اہلِ عرب کے جمع کیے ہیں۔ ایسا نہیں ہوا کہ انھوں نے عربی زبان کے لغوی معنیٰ یا مناسبتی معنیٰ خود مرتب کیے ہوں۔

آیتِ محوّلہ بالا میں خاتم النّبیین میں لفظ ''خاتِم'' کی تا کو اگر زیر سے پڑھیں تو معنی یوں ہوں گے:

''وہ نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں''

اور اگر ''خاتَم'' کی تاء کو زبر سے پڑھیں خاتَم النبیین تو معنی یوں ہوں گے: ''وہ نبیوں پر مہر ہیں''

ان دونوں معنوں میں نبوت ختم ہونے کی حقیقت اجاگر ہوتی ہے۔ اجراءِ نبوت کا فراڈ واضح نہیں ہوتا۔ مرزائیوں نے اس لفظ کے معنیٰ بدلنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور دنیا جہان کے قاعدوں، ضابطوں کو توڑ تاڑ کے لفظِ ''خاتَم'' (زبر کے ساتھ) کا معنی کیا ہے افضل یعنی خاتَم النبیین کے معنی ہیں ''تمام نبیوں سے افضل ہیں۔'' (احمدیہ پاکٹ بک مطبوعہ دسمبر ۱۹۴۵ء قادیان، صفحہ ۴۹۷)

جس کے لیے انھوں نے صرف ونحو کے قواعد، یا لغتِ عرب، یا بلاغت و معانی کی کسی کتاب کا حوالہ تک نہیں دیا بلکہ اپنی خود ساختہ فریب کاریوں کو لسانِ عرب پر تھوپ کر معنیٰ تیار کر لیے۔ زبان عربوں کی، قرآن عربی میں اور قاعدہ وقانون غلام احمد قادیانی کا:

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

حالانکہ لغتِ عرب کی سابقہ تشریحات کے علاوہ قرآنِ کریم کی تلاوت کے سلسلہ میں فنِ تجوید کی قانونی پابندیاں پوری امت نے تسلیم کی ہیں۔ اور وہ قراءِ گرامی رحمہم اللہ پوری امت سابقہ وموجودہ کے ہاں غیر متنازعہ شخصیتیں ہیں انہوں نے اس کی تلاوت کی دو روائتیں بیان کی ہیں۔

لفظ ''خاتِم'' کی تاء کو صرف دو قاریوں نے زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور وہ دو بزرگ ہیں:

(۱) حضرت حسن (۲) حضرت عاصم (رحمۃ اللہ علیہما)

باقی تمام قراءِ کرام ورش، قالون، دوری، کسائی کے ہاں ''خاتَم'' تاء کی زبر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یعنی اکثریت کے ہاں خاتَم مختار ہے اور یوں لغوی اور تجویدی تحقیق کے اعتبار سے آیتِ مذکورہ میں خاتم النبیین کے وہی دو معنیٰ ہو سکتے ہیں جو اوپر ذکر کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ دنیا بھر کے مفسرین رحمہم اللہ نے بھی یہی معنیٰ کیے ہیں۔ مرزائی پوری امت کے اعاظم وعوام سب کے معتقدات، تحقیقات اور علمی وقانونی ضابطوں کے خلاف اپنی پوتھی اور بھاشن کو ہم پر ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ یہ کہاں کی علمیت وشرافت ہے۔

سیدھی بات ہے جس طرح غلام احمد قادیانی نے امام الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوتِ صادقہ کی اپوزیشن عیسائیوں کے ساتھ الحاق کر کے نبوتِ کاذبہ کی داغ بیل ڈالی۔ اسی طرح اس کے پیروکاروں نے ایک بہت بڑے دجل اور جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے نئی لغت اور اس کے لیے نئے قواعد وضع کر لیے:

ایں کار از تو آید و خبثاء چنیں کنند

(مارچ ۱۹۸۸ء)

گجرات میں مرکز احرار، مدرسہ و مسجد ختم نبوت کا قیام

ضلع گجرات نیو ماڈل ٹاؤن میں مسجد احرار کے قیام کے لیے ایک صاحب نے ایک کنال جگہ وقف کی اس کا سنگِ بنیاد ۶ رنومبر ۲۰۰۶ء کو امیر مجلس احرار اسلام پاکستان ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ اور نواسہ امیر شریعت سید محمد کفیل بخاری نے رکھا۔ اللہ پاک نے سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ کی آرزو کو پورا کیا۔ احباب و مخلصین اس دینی مرکز کی تعمیر میں تعاون فرمائیں۔

الداعی: حافظ ضیاء اللہ قریشی۔ منتظم مدرسہ محمودیہ ناگڑیاں ضلع گجرات
فون: 053-7650025۔ موبائل: 0301-6221750

مولانا محمد طاسین رحمہ اللہ

اصلاحِ معاشرہ کے لیے نبوی حکمتِ عملی

میرے مقالے کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ایک خاص پہلو ہے۔ جس پر جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے، سیرت نگار حضرات نے جیسا اور جتنا لکھنا چاہیے تھا، نہیں لکھا۔ لہٰذا سیرتِ مبارکہ کا یہ پہلو آج ہمارے سامنے ایسا واضح اور اجاگر نہیں جیسے کہ دوسرے بہت سے پہلو واضح ہیں۔ سیرتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خاص پہلو سے میری مراد وہ حکمتِ عملی ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاحِ معاشرہ کے سلسلے میں ہمیشہ اپنے سامنے رکھا اور کبھی کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا جو اس کے خلاف ہو۔ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ آپ اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور موعظۂ حسنہ کے ساتھ دعوت دیں۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد اور آپ کے منصبی فرائض میں سے ایک مقصد اور فرض یہ بھی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکمت کی تعلیم دیں اور مسلمانوں کو یہ بتلائیں کہ دین اسلام کو عملاً کامیاب بنانے کے لیے کس طریقے سے کام کریں۔

قرآن حکیم میں فرمایا:

> اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (۱)
>
> ''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ وعظ کے ذریعے بلایئے اور ان کے ساتھ بحث پسندیدہ طریقے سے کیجیے۔''

یہ تو ہم سب کو معلوم ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید کی شکل میں فکر و عمل کا ایک جامع دستورِ زندگی اور ایک کامل ضابطۂ حیات انسانیت کو دے دیں۔ جس میں اس کی فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کے لیے ہر قسم کی اصولی ہدایت موجود ہو اور جس کی بنیاد پر ایک ہر لحاظ سے معتدل اور متوازن انسانی معاشرہ وجود میں آ سکتا ہو۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں اپنے ہاتھوں سے قرآنی دستورِ حیات کے مطابق عملاً ایک مثالی معاشرے کی تشکیل بھی فرمائیں تاکہ دنیا پر یہ واضح ہو کہ جس نظامِ حیات کی طرف اس کو دعوت دی جا رہی ہے، وہ قابل عمل ہے اور اپنے عملی فوائد و ثمرات کے لحاظ سے دوسرے تمام نظام ہائے حیات کے مقابلے میں انسانیت کے لیے زیادہ مفید ہے۔

اسی طرح یہ بھی ہم سب جانتے ہیں کہ جس عرب معاشرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ظہور ہوا وہ معاشرہ ہر پہلو سے انتہائی طور پر بگڑا ہوا تھا اور ذہنی اور خارجی طور پر اس مثالی معاشرے سے بالکل مختلف بلکہ متضاد تھا۔ جس کی تشکیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس فرائض میں سے تھی۔

مثلاً وہ مثالی معاشرہ توحید خالص کے انوار سے روشن اور منور تھا اور یہ معاشرہ ہر قسم کے شرک کی تاریکیوں میں پوری طرح مستغرق تھا۔ وہ مثالی معاشرہ ہر قسم کے ظلم و فساد سے پاک اور کامل عدل و انصاف اور احسان و ایثار کی برکات سے

مالا مال تھا اور یہ معاشرہ اپنے ہر پہلو میں ظلم وفساد کی نحوستیں لیے ہوئے تھا۔ معاشی لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر مثالی معاشرے میں ربا وقمار اوران جیسے دوسرے معاشی معاملات کا کوئی وجود نہیں تھا اور اس عرب معاشرے کے تمام معاشی کاروبار ربا اور قمار پر چل رہے تھے۔ اسی طرح معاشرتی لحاظ سے اس مثالی معاشرے میں کامل انسانی مساوات کے ساتھ ساتھ فضیلت وشرافت اور تفوق وبرتری کا معیار صرف تقویٰ تھا۔ رنگ، نسل، نسب، دولت اور منصب وغیرہ کی بنا پر قومی، قبائلی، خاندانی اور شخصی برتری اور تفاخر کے لیے اس میں کوئی گنجائش نہیں تھی اور اس کے برعکس اس عرب معاشرے میں رنگ، نسل اور نسب وغیرہ کی بنیاد پر مختلف قبیلوں، خاندانوں اور اشخاص کے درمیان نہایت مضبوطی کے ساتھ امتیازات موجود تھے اور باہمی تفاخر کا مشغلہ زوروں پر تھا۔ غرض کہ یہ عرب معاشرہ اصولی طور مثالی معاشرے کا بالکل اُلٹ تھا جسے قائم کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھا۔ لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مامور تھے کہ اسی عرب معاشرے کو درست کریں اور اس میں درجہ بدرجہ ایسی اصلاحی تبدیلیاں عمل میں لائیں کہ وہ بالآخر مطلوبہ مثالی معاشرہ بن جائے اور ساتھ ہی ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم بھی تھا کہ یہ اصلاح ایسے طریقے سے فرمائیں کہ اصلاحِ معاشرہ سے جو مقصود ہے اُس کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور اگر پہنچے تو کم از کم پہنچے۔

اصلاحِ معاشرہ سے مقصود یہ تھا کہ معاشرے کے تمام افراد کو پائیدار اور مسلسل امن واطمینان کی خوش گوار زندگی نصیب ہو، جس کی طلب وخواہش ہر انسان کے اندر پیدائشی اور اضطراری طور پر پائی جاتی ہے اور جسے قرآن مجید نے حیاتِ طیبہ، حیاتِ حسنہ اور عیشۃٌ راضیہ (۲) وغیرہ سے تعبیر کیا ہے اور اس کے حاصل ہوجانے کو انسانی فوز وفلاح قرار دیا ہے اور یہ مقصود چونکہ اس صورت میں زیادہ بہتر اور محفوظ طور پر حاصل ہوسکتا ہے جب معاشرے میں مطلوبہ تبدیلی انقلابی طریقے سے نہیں بلکہ تدریجی اصلاح کے طریقے سے عمل میں لائی جائے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تدریجی اصلاح کا طریقہ اختیار فرمایا اور اس طریقے میں زیادہ وقت لگنا ایک لازمی امر تھا، لہٰذا اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں تقریباً تیئس سال کا طویل عرصہ لگا اور اس میں اتنا طویل عرصہ اس وجہ سے بھی لگا کہ اس سلسلے میں جو پالیسی اور حکمتِ عملی آپ صلی اللہ علیہ وسلمکے سامنے رہی وہ بجائے خود کافی دیر طلب تھی اور اس کا تقاضا یہ تھا کہ زیادہ وقت لگے جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا کہ اس مقالے میں میرا اصل مقصد اسی حکمت عملی کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

حکمتِ عملی کے بارے میں کتاب وسنت کے مطالعے اور غور وفکر سے جس نتیجے تک میں پہنچ سکا ہوں، وہ یہ ہے کہ معاشرے کی تدریجی اصلاح کے سلسلے میں ایک بنیادی چیز آپ کے سامنے یہ رہی کہ اصلاح جس قدر بھی عمل میں آئے وہ پائیدار اور مستحکم ہو، عارضی اور وقتی نہ ہو، بالفاظِ دیگر منزلِ مقصود تک پہنچنے میں خواہ کتنی ہی زیادہ دیر کیوں نہ لگ جائے اور رفتار خواہ کتنی ہی سست اور آہستہ کیوں نہ ہو لیکن اس راہ میں کبھی کوئی قدم ایسا نہ اٹھے جس کے ردِ عمل میں دو قدم پیچھے ہٹنا پڑے اور حاصل شدہ فائدے کے مقابلے میں نقصان زیادہ اٹھانا پڑے۔

اسی پائیدار اور مستحکم اصلاح کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکمتِ عملی اختیار فرمائی وہ یہ تھی کہ معاشرے میں کوئی عملی تبدیلی اُس وقت بروئے کار لائی جائے جب ایک طرف اس تبدیلی کے لیے سازگار ذہنی فضا تیار ہوجائے اور دوسری طرف اس کے موافق اور مناسب خارجی حالات پیدا ہوجائیں کیوں کہ ان دو چیزوں کے بغیر جو اصلاح عمل میں آتی

ہے۔ وہ عارضی اور وقتی ہوتی ہے اور پائیدار اور مستحکم نہیں ہوتی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یہ انسان کی فطرت ہے جو کبھی بدلی نہیں جاسکتی کہ وہ کسی ایسے کام کو خوشی کے ساتھ نہیں کرتا جس کے لیے اس کا ذہن تیار نہ ہو اور یہ کہ جس کام کے لیے انسان کا ذہن تیار نہ ہو وہ کام اگر اس سے زبردستی لیا جائے تو خوف کی وجہ سے وہ اس کو وقتی طور پر تو کر لیتا ہے لیکن اس سے فرار کے راستے اور چور دروازے بھی برابر تلاش کرتا رہتا ہے جونہی کوئی راستہ اور دروازہ اسے نظر آتا ہے وہ بھاگ نکلتا ہے اور پھر جب وہ خارجی دباؤ کم یا ختم ہوتا ہے تو وہ اس کام کے متعلق اور نیز اس شخص یا ادارے کے متعلق جس نے اس سے وہ کام زبردستی لیا ہوتا ہے سخت نفرت اور بے زاری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس لیے یہ اس کا ردّعمل ہوتا ہے اور ردّعمل میں ہمیشہ شدت اور سختی زیادہ ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی اس فطرت کے پیشِ نظر معاشرے میں کوئی عملی تبدیلی اُس وقت فرمائی جب اس تبدیلی کے لیے ساز گار ذہنی فضا تیار ہوگئی۔

مثلاً آپ نے شراب، زنا اور سود وغیرہ کے خلاف اُس وقت تک عملی قدم نہیں اٹھایا جب تک اس کے لیے ساز گار ذہنی ماحول تیار نہیں ہو گیا اور یہ قدم بہت بعد میں اس وقت اٹھایا گیا جب بحیثیت مجموعی معاشرے کا ذہن اس کے لیے تیار ہو گیا اور یہ اس لیے کہ ذہن تیار ہونے سے پہلے اگر ان چیزوں کو قانوناً حرام اور ممنوع قرار دے دیا جاتا تو اس کا انجام اور حشر وہی ہوتا جو مثلاً امریکہ میں قانونِ امتناعِ شراب کا ہوا۔

اسی طرح یہ بھی ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ عمل کے نتائج کے ساتھ خارجی حالات کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ جس طرح کے خارجی حالات ہوتے ہیں عمل سے اسی طرح کے نتائج سامنے آتے ہیں، ایک عمل فی نفسہٖ اچھا ہوتا ہے لیکن بعض خاص طرح کے خارجی حالات میں اس سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ بڑے مقصد کے لحاظ سے مضر اور برے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک برے عمل سے خاص طرح کے خارجی حالات میں ایسے اثرات ونتائج ظاہر ہو جاتے ہیں جو مقصد کے نقطۂ نگاہ سے اچھے اور مفید ہوتے ہیں مثلاً صلح اور جنگ کے عمل کو لیجیے، صلح کا عمل یقیناً ایک اچھا عمل ہے لیکن تاریخ میں اس کی مثالیں بے شمار ہیں کہ خاص طرح کے حالات میں اس کے جو نتائج نکلے وہ ایک فریق اور اس کے اجتماعی مقصد کے حق میں مضر اور نقصان دہ ثابت ہوئے۔ اس کے برخلاف جنگ فطرتاً ایک برا عمل ہے لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ بسا اوقات خاص طرح کے حالات میں نتائج وعواقب مرتب ہوئے۔ ان سے ایک فریق اور اس کے نصب العین کو فائدہ پہنچا اور وہ اس کے حق میں اچھے اور بہتر ثابت ہوئے اور وہ چھوٹی برائی کو اختیار کر کے بڑی برائی سے محفوظ ہو گیا، بہر حال یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ عمل کے اثرات ونتائج پر خارجی حالات کا ضرور اثر پڑتا ہے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاحِ معاشرہ کے سلسلے میں کوئی عملی اقدام فرمانے سے پہلے ہمیشہ اس چیز کو ملحوظ رکھا کہ اس وقت جو خارجی حالات ہیں وہ اس اقدام کے موافق ہیں یا نہیں اور ان حالات میں وہ فائدہ خاطر خواہ اور پائیدار طور پر حاصل سکتا ہے یا نہیں جو اس اقدام سے مقصود ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک کوئی عملی قدم نہ اٹھاتے جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطمینان نہیں ہو جاتا کہ خارجی حالات موافق ہیں اور نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہوگا۔

مثال کے طور پر ربا کو لیجیے جہاں تک اس کے حرام ہونے کا تعلق تھا ظلم پر مبنی ہونے کی وجہ سے وہ روزِ اوّل سے

حرام تھی لیکن اس کی تحریم کا قانون مدنی زندگی کے آخری دور میں نافذ ہوا، اس سے پہلے مکی زندگی کے پورے دور اور مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں اسے قانونی طور پر حرام نہیں ٹھہرایا اور مسلمانوں کو سودی لین دین سے نہیں روکا گیا تو اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس وقت مسلمان جماعت کے جو معاشی حالات تھے وہ کمزور اور غیر مستحکم تھے اور وہ اپنی معاشی ضروریات تک کے لیے غیر مسلموں کے ساتھ معاشی روابط قائم رکھنے پر مجبور تھے۔ اگر اس وقت ربا کو قانوناً حرام قرار دے دیا جاتا تو ظاہر ہے کہ غیر مسلموں سے مسلمانوں کے معاشی تعلقات ختم ہو جاتے کیوں کہ اُن کا سارا لین دین اور کاروبار سود پر تھا۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی معاشی حالت پر بہت برا اثر پڑتا اور اس سے ان کے اعلیٰ مقصد اور نصب العین کو نقصان پہنچتا۔ لہٰذا اس قانون کو مناسب حالات پیدا ہونے تک ملتوی رکھا گیا۔ چنانچہ آگے چل کر جب مدنی زندگی کے آخری دور میں مسلمانوں کی معاشی حالت مستحکم ہوگئی اور وہ اپنی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل اور خود مکتفی ہوئے اور یہ اندیشہ باقی نہ رہا کہ غیر مسلموں سے معاشی تعلقات منقطع ہوں گے تو نقصان پہنچے گا تو اس وقت سود کی ہر شکل اور سود سے مشابہ تمام معاشی معاملات کو یکسر حرام قرار دے دیا گیا۔

اسی طرح مدنی زندگی کے آخری دور میں جب مسلمان سیاسی طور پر مستحکم اور خود مختار ہوگئے تو غیر مسلموں کے مقابلے میں جو اقدامات عمل میں آئے وہ اگر اس سے پہلے مثلاً مکی زندگی میں ہوتے تو ان سے بجائے فائدہ پہنچنے کے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچتا اور وہ اپنی منزلِ مقصود کے اتنے قریب نہ ہوتے جتنے کے اس وقت قریب تھے، اسی وجہ سے مکی زندگی میں فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ط (۳) پر عمل رہا اور کفار کے انتہائی مظالم کے باوجود اُن سے لڑنے کی نوبت نہیں آئی۔

حضرات! یہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس سے گو زیادہ واضح طور پر نہ سہی لیکن اجمالی طور پر وہ حکمت عملی ضرور سامنے آجاتی ہے جسے اصلاحِ معاشرہ کے سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ملحوظ و مدنظر رکھا اور ہمیں تعلیم دی کہ ہم بھی اس سلسلے میں ہمیشہ اس حکمتِ عملی کو ملحوظ و مدنظر رکھیں اور اس کے مطابق اپنے معاشرے کی اصلاح کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا یہ پہلو خصوصیت کے ساتھ اُن حضرات کے لیے مستحق توجہ ہے جو اصلاحِ معاشرہ کے مبارک اور ضروری کام میں لگے ہوئے ہیں اور موجودہ معاشرے کو صحیح اسلامی معاشرے میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں اُن پر لازم ہے کہ وہ اس سلسلے میں وہ طرزِ عمل اور طریق کار اختیار کریں جس کی تعلیم ہمیں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں دی گئی ہے۔ اس کے بغیر کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ کامیابی اس کا نام نہیں کہ ہم جو اسلامی معاشرہ چاہتے ہیں وہ ہماری زندگی میں ہماری آنکھوں کے سامنے عمل میں آجائے بلکہ کامیابی یہ ہے کہ ہم اس میدان میں اس طریقے پر عمل کرتے ہوئے ختم ہو جائیں جو قرآنِ حکیم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ نے ہمیں بتایا ہے۔

حوالہ جات:

(۱)　النحل: ۱۲۵

(۲)　ملاحظہ کیجیے: النحل: ۹۷، الحاقہ: ۲۱، القارعۃ: ۷

(۳)　البقرہ: ۱۰۹

(مطبوعہ: ''السیرۃ'' کراچی)

حفیظ تائبؒ

یاحیُّ یاقیوم

تو خالق ہے ہر شے کا یاحیُّ یاقیوم
ہر پل تیرا رنگ نیا یاحیُّ یاقیوم

تو اوّل بھی آخر بھی تو ظاہر تو باطن
سب میں رچ کر سب سے جدا یاحیُّ یاقیوم

تو ہے نورِ ارض و سما یاقادر یاہادی
نور اپنے سے راہ دکھا یاحیُّ یاقیوم

نور کہ جیسے طاق کے اندر جلتا ایک چراغ
یا اک تارا ہیرے سا یاحیُّ یاقیوم

تو قدوس ہے تو مومن ہے تو رحمٰن و رحیم
احسن تیرے سب اسما یاحیُّ یاقیوم

پیدا کر کے انساں کو دی قرآں کی تعلیم
بخشے تو نے نطق و نوا یاحیُّ یاقیوم

تو نے فلک کو رفعت دی اور قائم کی میزان
تو ہی ملیکِ روزِ جزا یاحیُّ یاقیوم

تو نے زمیں کا فرش بچھا کر اس کو کیا سرسبز
تو ہی کفیلِ نشوونما یاحیُّ یاقیوم

وصف کہاں تک لکھے تیرے شاعر ہیچمدان
کیا تائبؔ کیا اس کی ثناء یاحیُّ یاقیوم

پروفیسر خالد شبیر احمد (چنیوٹ)

نعت رسولِ مقبول ﷺ

روشن ہے جہاں آپ کے انوار سے خالد
ہے زندہ یہ دل آپ کے افکار سے خالد

نَے گل کی مہک سے ہی نہ تاروں کی چمک سے
ملتا ہے سکوں آپ کے اذکار سے خالد

جو کچھ بھی کہا آپ نے ہے دین وہ میرا
اور کفر فقط آپ کے انکار سے خالد

یہ چاند بھی ہے آپ کے چہرے کا ہی پرتَو
زرتاب جہاں آپ کے رخسار سے خالد

حرفوں میں میرے آپ کے لہجے کی کھنک ہے
شعروں میں ضیاء آپ کے انوار سے خالد

ہیں ختم الرسل آپ ہی اور آپ ہی عاقب
آتی ہے صدا دشت سے کوہسار سے خالد

آزادیٔ نسواں کا تصور بھی اُنہی کا
احرار کا یوں ربط ہے سرکار سے خالد

ہر نعت میری شوقِ عقیدت کا مرقع
مہکے ہے وِلا آپ کی اشعار سے خالد

جب موجِ حوادث میں بھروسہ ہو اُنہی کا
کیوں مجھ کو ڈرائے کوئی منجدھار سے خالد

دامن پہ صحابہ کے کوئی داغ نہ دھبہ
گزرے ہیں وہ یوں عشق کے بازار سے خالد

خالدؔ ہے تیری زیست کا رنگ انوکھا
یہ رنگ چڑھا آپ کے اطوار سے خالد

ابوسفیان تائب (حاصل پور)

نعت رسولِ مقبول ﷺ

نبی کی نعت لکھوں دل لگا کے پڑھتا رہوں
تصورات میں جنت کے درجے چڑھتا رہوں

نبی کے عشق میں سرشار ہی رہوں ہر دم
نبی کی سنتِ حسنہ پہ عمل کرتا رہوں

نبی کی ذات ہی رحمت ہے دو جہاں کے لیے
میں ہر قدم پہ نبی پر درود پڑھتا رہوں

مگن رہوں میں سدا عظمت ِ الٰہی میں
دل و زبان سے اللہ کا ذکر کرتا رہوں

کہا نبی نے کہ شیطان و نفس ہیں دشمن
میں دشمنوں سے بڑے حوصلے سے لڑتا رہوں

کروں میں نیک عمل نیکیاں ہی پھیلاؤں
بچوں گناہوں سے ہر دم خدا سے ڈرتا رہوں

ہے کائنات سے بڑھ کر حسین میرا نبی
میں والضحیٰ پڑھوں یٰسین و طٰہٰ پڑھتا رہوں

نبی کا دامنِ رحمت مجھے بھی مل جائے
خدا کرے میں سدا کام ایسے کرتا رہوں

مروں مدینہ میں اور موت ہو شہادت کی
نبی کا واسطہ دے کر دعائیں کرتا رہوں

درِ نبی کا میں ادنیٰ غلام ہوں تائبؔ
درِ نبی پہ بسر صبح و شام کرتا رہوں

ڈاکٹر شاہد مسعود

مشورہ

اور یہ بھی المیہ رہا ہے کہ فیلڈ مارشل ایوب خان جب عشرہ ترقی کے جشن پر قومی وسائل لٹا رہے تھے تو عوام میں ان کے خلاف ایک آتش فشاں پھٹنے کو تیار ہو رہا تھا۔ وہ جن درآمد شدہ اقتصادی ماہرین کی لفاظی اوران کے معاشی فلسفے کے سحر میں کھو کر اعداد وشمار کے گورکھ دھندوں سے قوم کو بہلا رہے تھے تو ملک شدید طبقاتی تضادات کا شکار ہو چکا تھا۔ وہ جس صنعتی تعمیر کو اپنا کارنامہ گردان رہے تھے۔ وہ بدعنوانی کی نئی داستانیں بن کر سامنے آرہی تھیں اور وہ مشرقی پاکستان میں جب ترقیاتی کارناموں پر فخر کر رہے تھے تو ملک دولخت ہونے کی طرف بڑھ رہا تھا اور تبھی ان کے خلاف جب گلی محلوں میں نعرے لگنا شروع ہوئے تو یہ سمجھنا ان کے لیے دشوار تھا کہ اس احتجاج کا آخر جواز کیا ہے؟ فیلڈ مارشل کو اپنے دورِ اقتدار کے وہ ابتدائی دن یاد تھے جب عوام کی اکثریت برس ہا برس سے ناکام اور بدعنوان سیاست دانوں کی کشمکش اور اقتدار کے لیے ان کی سازشوں سے بیزار ہو کر انھیں خوش آمدید کہا کرتی تھی۔ ملکی پیداوار میں اضافے کے اعلان سن کر عش عش کیا کرتی اور ان کے وضع کردہ نظام حکومت میں بھرپور شریک بھی تھی۔ آخری تین برسوں میں فیلڈ مارشل کے لیے نئے محاذ کھلتے چلے گئے ۔ وہ امریکہ جو ۱۹۵۸ء میں ایوب خان کو اقتدار تک لانے میں معاون تھا اور جس کی نوازشات کی بارش کئی برس ان پر حاوی رہی۔ اب انھیں ہٹانے کے لیے فعال تھا اور بدقسمتی سے ہماری تاریخ کے ہر حکمران کی طرح ایوب خان بھی ایک ایسے نظام کے تابع ہو چکے تھے جہاں آنکھیں تو ہوتی ہیں بینائی نہیں ہوا کرتی، کان ہوتے ہیں سماعت نہیں ہوتی، دماغ تو ہوتا ہے فراست نہیں اور اختیار تو ہوتا ہے لیکن وہ اس کے مناسب استعمال سے قاصر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اقتدار کے ایوانوں میں خوش گفتار مکڑیاں ہر لحہ ایسے جال بنتی رہتی ہیں جن کے سوتے صرف خوشامد سے ہی پھوٹتے ہیں اور وہ وقت مقررہ پر حکمرانوں کی شعوری کوشش نہ ہونے کے باوجود ان سے کوئی ایسا فیصلہ ضرور صادر کروادیتی ہیں جو انھیں زوال کی اتھاہ گہرائیوں کی طرف دھکیل دیتا ہے اور یہ جملہ میں نے پچھلی تحریر میں بھی لکھا تھا کہ ''آپ کی اصل طاقت وہ ہوا کرتی ہے جو آپ استعمال نہیں کرتے۔ اور وہ مشورے ہوتے ہیں جنھیں آپ ردّ کر دیا کرتے ہیں۔

ایوب خان کے خلاف جب بین الاقوامی طاقتوں نے اپنا محاذ بنایا تو سول اور ملٹری Establishment کو بھی اس سے باخبر کر دیا گیا تاکہ انھیں فیصلہ کرنے میں آسانی رہے۔ تبھی ان کے نامزد وزیر دفاع اے آر خان نے ۱۹/ مارچ ۱۹۶۹ء کو ان کے خلاف چارج شیٹ پڑھ کر سنائی اور انھی کے نامزد فوجی سربراہ جنرل آغا محمد یحییٰ خان نے چھے روز بعد انھیں معزول کر کے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ عجب معاملہ یہ رہا کہ برطرفی سے کئی برس پہلے ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران ہی ایوب خان کو اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ امریکہ ان کے ساتھ ہاتھ کر گیا ہے۔ کیوں کہ ایک طرف انھیں

اشارہ تھا کہ وہ مقبوضہ کشمیر آزاد کروا کر تاریخ میں امر ہو سکتے ہیں تو دوسری طرف بھارتی قیادت کو بھی مشورہ تھا کہ جواباً مغربی پاکستان پر حملہ آور ہو جاؤ اور یہ حقیقت بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ مجیب الرحمٰن کے دو قابل اعتماد ساتھیوں تاج الدین اور روح القدس نے ''چھے نکات'' کن دستاویزات اور ہدایات کی روشنی میں تیار کیے تھے اور جن کے اعلان پر ۵رفروری ۱۹۶۶ء کو سیاسی جماعتوں کے کنونشن میں موجود ۹۹ فیصد سیاست دان حیرت زدہ رہ گئے تھے اور پھر آئندہ چند برسوں میں رقم ہوتی تاریخ کے المناک باب آج بھی جیسے خون چوس رہے ہیں۔

برس ہا برس بعد کے موجودہ حالات بڑی حد تک مختلف ضرور ہیں لیکن بہرحال یہ ضرور طے ہے کہ امریکہ اگر صدر مشرف سے کئی امور پر خوش تو کئی پر ناخوش بھی ہے۔ خوشی کے اشاروں میں جلاوطن سیاسی قیادت کا وطن لوٹ کر کسی تحریک کو منظم نہ کرنا، بلوچستان پر خاموشی، جمہوری اور سیاسی عمل پر محض بیانات اور بھارت کی طرف سے ہمارے لیے دوستی کا ہاتھ وغیرہ سمجھے جا سکتے ہیں۔ لیکن ان کے عوض افغانستان کی بدتر ہوتی صورتحال میں پاکستان کے موجودہ کردار سے مطمئن نہیں۔ ایران کے ساتھ اگر امریکہ کی محاذ آرائی ٹل جاتی ہے اور دونوں ممالک کے درمیان مفاہمت کے دروازے کھلتے ہیں تو یہ پاکستان پر مزید دباؤ کا سبب ہوگا۔ کیوں کہ ایران، افغانستان اور عراق کی دلدل میں پھنسے امریکہ کی بھرپور مدد کے عوض مراعات حاصل کرنے کی بہتر پوزیشن میں آ رہا ہے۔ اور ایک بہترین خارجہ پالیسی کے باعث اگر صدر احمدی نژاد کا اب امریکی ویزے کے حصول کے بعد اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کے اجلاس سے خطاب خلیج میں ایک نئے معرکے کو تو ٹالتا نظر آ رہا ہے لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ یہ پاکستان پر مزید دباؤ کا سبب بننے جا رہا ہے اور اس امریکہ ایران مفاہمت کی کوششوں اور سعودی عرب کے تعاون سے ترتیب پاتی نئی فلسطینی حکومت جہاں امریکی نیشنل سیکورٹی کونسل میں موجود Elliot Abrams جیسے انتہا پسندوں کو پریشان کر رہی ہے۔ وہاں یہ تمام انتہا پسند قوتیں خود افغانستان اور شمالی قبائلی علاقوں میں صدر مشرف کے کردار پر بھی مطمئن نہیں۔ چنانچہ غالب امکان یہی ہے کہ اس محاذ کے بند ہونے کی صورت میں واشنگٹن کے تیور اسلام آباد کے لیے مزید بگڑیں گے۔

''میرے مطابق'' ملک کا موجودہ بحران براہِ راست نہ سہی لیکن کسی نہ کسی حد تک اس دباؤ کی ابتداء ضرور ہے جس کا اشارہ حکومت میں شامل کئی اہم شخصیات کا اس بحران کے دوران خود کو لاتعلق کر لینا ہے۔ صدر مشرف نے درست کہا کہ تمام تر غلط اقدامات کی ذمہ داری ان پر ڈالنا غلط ہے لیکن یہ بھی درست ہے کہ جہاں تمام تر قوت کا ارتکاز بھی صدر ہی کی ذات تک ہے، وہاں انھیں اس الزام کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ انھیں یہ حقیقت بھی سمجھ لینی چاہیے۔ ان کے اردگرد جمع سیاسی مشیرانِ گرامی انھیں اس ''نظام'' کا دیا ہوا تحفہ ہیں، ان کے وفادار دوست نہیں۔ یہ سب پہلے کسی اور کے جاں نثار تھے اور آئندہ کسی اور کے حاشیہ بردار ہو سکتے ہیں۔ ان میں اکثریت کی خاموشی اور ہچکچاہٹ وہ اشارہ ہے جو صدر مشرف کو سمجھنا چاہیے۔ امریکہ کو چیف جسٹس یا انتخابات کے شفاف ہونے سے نہیں، افغانستان سے دلچسپی ہے۔ وہ آپ کو بہت کچھ دے کر جواباً آپ سے اس سپردگی کا متقاضی ہے جس سے آپ کو ہچکچاہٹ ہے۔ خارجی اور داخلی دونوں طرف دباؤ بڑھنے جا رہا

ہے اور وہ پرکشش سیاسی نقشہ جس کے مطابق صدر مشرف کو اگلے کچھ عرصے میں موجودہ اسمبلیوں سے دوبارہ منتخب ہوکر انھیں توڑ کر نئی پارلیمنٹ کا انتخاب اور پھر اس سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنا تھا۔ ابھی سے عدلیہ کے حالیہ بحران اور قانونی موشگافیوں کی نذر ہو چکا ہے۔ بے نظیر بھٹو خود کو بہتر ڈیل کی پوزیشن میں لا رہی ہیں۔ وہ براہِ راست صدر مشرف کے استعفیٰ اور وطن واپسی کے بجائے صرف یہ پیغام دے رہی ہیں کہ طالبان کی بڑھتی ہوئی قوت کے خلاف ان کی شمولیت کے بغیر فتح ناممکن ہے۔

شراکت اقتدار اور ان قوتوں سے خود کو الگ رکھ رہی ہیں جو اس وقت واشنگٹن میں بہت زیادہ قابل قبول نہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ میاں نواز شریف کو پچھلے دنوں دبئی میں عین تب پہنچنا تھا جب یہاں سے محترمہ کی فلائیٹ امریکہ کے لیے روانہ ہو چکی ہوتی۔ ہیتھرو ایئرپورٹ پر غیر متوقع ہڑتال کے باعث پروازیں اس طرح تاخیر کا شکار ہوئیں کہ دونوں سابق وزرائے اعظم گھنٹوں تک دبئی میں موجود رہے لیکن ایک دوسرے سے گفتگو سے پرہیز کیا اور شاید یہ بات بھی قارئین کے لیے دلچسپی کا امر ہو کہ شہباز شریف اور اسحاق ڈار سمیت دیگر کئی رہنماؤں کے برعکس میاں نواز شریف کو امریکہ کا ویزا نہیں مل سکا۔ اسفند یار ولی خان کی یہاں محترمہ سے ملاقات بھی اہم ہے اور وہ بڑی حد تک محترمہ کے موجودہ حالات میں نظریاتی حلیف ہیں اور صدر مشرف کے کئی قریبی ساتھی بھی۔ مسلم لیگ ''ق'' پر تکیہ کیے جانے کے بجائے محترمہ سے مفاہمت کے لیے کوشاں ہیں اور ان ٹریک ٹو مذاکرات کے لیے گزشتہ کئی ماہ سے لندن اور اسلام آباد سے دبئی آتی پروازوں میں مسافروں کی فہرست بڑی دلچسپ ہے۔ محترمہ بہرصورت انتخابات سے پہلے وطن واپسی پر اصرار کر رہی ہیں اور انھوں نے بلاول اور بختاور دونوں کو امریکہ کی اہم درس گاہوں میں داخل کروا دیا ہے جب کہ چھوٹی آصفہ انھی کے ساتھ رہے گی۔ فی الحال یہ کہنا مشکل ہے کہ بلی چوہے کے اس کھیل میں کیا نقشہ ابھرے گا تاہم یہ طے ہے کہ اگلے چند ماہ کسی بھی طور پرسکون گزرنے کے امکانات یوں معدوم ہیں کہ یہ انتخابات کا سال ہے۔ ان انتخابات کا...... جن کی تیاری ابھی سے ڈرائنگ روموں، کئی دارالحکومتوں اور سڑکوں پر شروع ہو چکی ہے۔ یہ طے ہے کہ Establishment محترمہ کو ان کی شرائط پر واپس نہیں آنے دے گی اور دینی، سیاسی جماعتوں اور مسلم لیگ نواز شریف کو ان پر کہیں زیادہ فوقیت دے گی۔ صدارتی انتخابات اور انتخابی مہم کے ساتھ ساتھ چیف جسٹس کے خلاف ریفرنس طویل سماعتی مراحل سے گزرے گا۔ ہر ہر لمحے پر Establishment سیاسی اور مذہبی جماعتیں اور غیر ملکی قوتیں اپنا اپنا کھیل کھیلیں گی؟ صدر اپنے اس بیان پر خود کہاں تک متفق ہیں کہ یہ تمام احتجاج سیاسی جماعتیں کر رہی ہیں۔ میں اس نقطۂ نظر سے شدید اختلاف کرتا ہوا صرف یہ عرض کروں گا کہ سیاسی جماعتیں اس بحران کو مستقبل میں کوئی شکل شاید دے سکیں۔ لیکن اس وقت وہ بڑی حد تک آپ کے ہم رکاب ہیں۔ صدر مشرف کے لیے اگلے چند ماہ اہم ہیں۔ فیصلہ وہ کیا کریں گے۔ یہ وقت ہی بتائے گا لیکن وہ مشورہ ایک بار پھر کہ آپ کو دیئے گئے کئی مشورے ردّ کر دینا ہی اس وقت آپ کی طاقت ہوگا'' چاہیں تو وہ اس مشورے کو بھی ردّ کر دیں۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''جنگ'' ۲۱/ مارچ ۲۰۰۷ء)

قاری مجیب الرحمٰن (لاہور)

خون آشام میلہ

بہار کے موسم میں جب نئی کونپلیں پھوٹنے لگتی ہیں تو ہوا خوشگوار اور گلوں پہ نکھار آ جاتا ہے۔ فضا میں پرندے چہچہاتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے مطرب نے کوئی طرب فزا راگ چھیڑ دیا ہو۔ جب گلوں سے رنگ مستی ٹپکتا ہے اور......

ہوا کرتی ہے شراب پیدا

تو دل کا موسم بھی بسنتی ہونے لگتا ہے۔ لیکن اس طرب انگیز موسم میں ایک دن اور ایک رات کے لیے میرا دل طرح طرح کے وسوسوں اور گمانوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے کہ حسب دستور ہر برس:

شام آتی ہے ہمیشہ یہی لالی لے کر

یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں اجنبی ہوں۔ حالانکہ اسی شہر کے اسی محلے میں '' جلایا ہے چراغِ آرزو برسوں'' بچپن، لڑکپن اور جوانی کی کئی منزلیں انہی گلیوں میں طے کی ہیں۔ ساتھ والے خواجہ صاحب، سامنے والے چودھری صاحب، نکڑ والے بٹ صاحب......سب سے میری صاحب سلامت ہے لیکن اس خون آشام، شام کو مجھے یوں لگتا ہے کہ ان سب سے میری یگانگی بیگانگی میں بدل گئی ہے۔

محلے میں اردگرد کے گھروں میں چھتوں پر برقی قمقموں کا انتظام ہو رہا ہے......ڈیک لگ رہے ہیں......رنگین پتنگیں خریدی جارہی ہیں......ڈور کا انتظام ہو رہا ہے۔ لیجیے یہ سورج غروب ہوا۔ ہر سو روشنیاں بکھرنے لگیں۔ فضا میں گرم بگولوں کا رقص جاری ہے۔ گولیوں اور گولوں کی تڑتڑاہٹ سے فضا گونج اٹھی ہے۔ ہوا میں لہراتی رنگین پتنگیں آنکھوں کو سرور دے رہی ہیں۔ فضا میں بکھرتے انڈین گانوں نے کانوں کو مسحور کر رکھا ہے:

وہ جنت نگاہ یہ فردوس گوش ہے

خواتین کی ایک بڑی تعداد جو کبھی چراغِ خانہ تھی' آج شمع محفل بن کر گلابی گالوں، سیاہ بالوں اور اپنے ہونٹوں کی لالی سے عید نظارہ کا ساماں کر رہی ہے:

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے

یوں لگتا ہے جیسے ''تمام شہر پہ آسیب سا مسلط ہے'' میں ڈرتے ڈرتے گھر سے باہر قدم رکھتا ہوں۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے کسی اجنبی محلے میں آنکلا ہوں......ہر طرف اجنبی چہرے، نامانوس مناظر، اجنبی دیس کے گانے اور اجنبی تہذیب وثقافت کے مظاہر......

ہر اک سمت سے چیخیں سنائی دیتی ہیں　　صدائے ہم نفس و آشنا نہیں آتی

یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اردگرد کے سب لوگ کسی ''ٹائم ٹنل'' میں بیٹھ کر ایک نئی ثقافت، نئی تہذیب اور نئے کلچر میں رنگی گئے ہوں اور میں کہیں پیچھے رہ گیا ہوں۔ میں ڈر کے مارے اپنے آس پاس کے لوگوں سے نگاہیں چار نہیں کر رہا۔ مبادا کوئی پوچھ بیٹھے: تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو، یہاں کیا کر رہے ہو؟ میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔ یہ کوندتی بجلیاں، یہ دمکتے قمقمے میرے قلب کو جلانے لگتے ہیں۔ میں واپس گھر آ جاتا ہوں۔ میرے گھر کی چھت پر کوئی برقی قمقمہ نہیں ہے۔ یہاں کوئی نغمہ نہیں گونج رہا، کوئی

رنگین پتنگ ہوا میں نہیں لہرا رہی ......ارد گرد رنگِ نشاط اور میرے بام ودر پر سیاہی جھلک رہی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے ایک قوم جشن عید منا رہی ہو۔ اور میں کسی دوسری قوم کا فرد، علیحدہ خطے کا باسی، منفرد تہذیب وثقافت کا حامل شخص اس جشن طرب میں شریک نہیں ہوں۔ مجھے یوں نظر آتا ہے کہ یہ لا الہٰ الا اللہ کی بنیاد پر حاصل کیے گئے پاکستان کا شہر لاہور نہیں بلکہ ہندوستان کا کوئی شہر ہے۔ جہاں ''سب رنگ'' قومیت کے علمبردار ''پیار پتنگ'' اڑا رہے ہیں:

تجھ سے مل کر اپنوں سے بیگانے ہوئے　　　اب تو پہچانے نہیں جاتے ہیں پہچانے ہوئے

میرا دل غم سے بھر جاتا ہے، طبیعت ملول ہو جاتی ہے، میں اپنے آپ کو تسلی دیتا ہوں کہ یہ رات بھر کی جدائی تو کوئی بات نہیں۔ کل سے یہ انڈین نغمے یوں نہیں گونجیں گے۔ شمع محفل پھر چراغِ خانہ بن جائے گی۔ پھر سے یکتائی اور یک رنگی پیدا ہو جائے گی۔ یہ فضا اور بام ودر پھر سے ایک ہو جائیں گے۔ بس ایک ہی رات کی تو بات ہے لیکن نہیں! اگلا دن بھی تو ہے۔ چلو ایک دن اور سہی! اتنے میں اللہ کا منادی پکارتا ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر! میں بوجھل قدموں اور شکستہ دل کے ساتھ اللہ کے گھر حاضر ہو جاتا ہوں۔ ارد گرد سے فضا میں بکھرتے نغموں کی گونج خانۂ خدا میں بھی سنائی دے رہی ہے۔ میں دل ہی دل میں مصورومفکر پاکستان اقبال سے کہتا ہوں ''یا حضرت! دیکھ رہے ہیں اپنی قوم کو'' جواب آتا ہے:

یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

پوچھتا ہوں ایسا کیوں ہے؟ جواب ملتا ہے:

غفلت ہے، سرمستی ہے، بے ہوشی ہے یہ

واقعی اس سے بڑھ کر غفلت اور کیا ہوگی کہ ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے کہ ستر کے قریب ہمارے ہی بھائی غریب الوطنی میں کسمپرسی کی حالت میں زندہ جل کر راکھ ہو گئے۔ لیکن ہمارے پتھر دل موم نہ ہوئے۔ روحِ اقبال سے پھر استفسار کرتا ہوں، اس کا انجام کیا ہوگا؟ ارشاد ہوتا ہے۔ وہی:

شمشیر وسناں اوّل طاؤس ورباب آخر

جی ہاں آغاز وہ تھا' انجام یہ ہے! کیا عوام اور کیا حکمران سبھی اس انجام کی طرف یوں بڑھ رہے ہیں۔ جیسے بھوکے دسترخوان پر! اس قاتل بسنت کی آڑ میں حکمران اپنے روشن خیالی کے تاریک نظریے کی ترویج چاہتے ہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کو اپنے حلوے مانڈے (مال وزر) سے کام......اور عوام کالانعام کو ہلا گلا چاہیے۔ بیچ میں کچھ گردنیں کٹتی ہیں تو کٹتی رہیں۔ ایک قافیہ سنج دوست کے بقول بسنت کی آڑ میں ملٹی نیشنل کمپنیاں مالا مال ہوتی ہیں۔ عوام ''حال کھیلتے ہیں۔ اور حکمران روشن خیال کہلاتے ہیں۔ بیچ میں کچھ جرم ضعیفی کے مارے اپنے بچوں کی گردنیں کٹوا کر تباہ حال کہلاتے ہیں اور شیاطین انس وجن اپنا جال پھینکتے ہیں اور روشن خیالی ایک اور قدم آگے بڑھ جاتی ہے۔

روشن خیالی کی ترویج کا یہ طریقہ تو سولہویں صدی کے روشن خیال اور ''ملٹی نیشنز'' کے علمبردار اکبر اور اس کے مشیر ابوالفضل اور فیضی کو بھی نہ سوجھا ہوگا۔ فیضی جیسی عبقری شخصیت آج زندہ ہوتی تو اپنے ان ''ہم خیالوں'' کے سامنے یہ ماننے پر مجبور ہوتی:

اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی

اور وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے کہ ہم خواہ مخواہ راسخ العقیدہ علماء سے ٹکر لے کر بدنام ہوئے۔ روشن خیالی اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کا یہ

کھیل ہم بھی کھیلتے اور مل کر بھجن گاتے:

اس پرچم کے سائے تلے ہم ایک ہیں ہم ایک ہیں

ذرا سوچئے! سپریم کورٹ کے فیصلے کے باوجود حکومتی سرپرستی میں پتنگ بازی کی اجازت! آخر کس بات کی غمازی کررہی ہے۔ اور ستر کے قریب پاکستانی مسلمانوں کے زندہ جل جانے کے باوجود بھی اگر ہم بھارتی گانوں کی گونج میں ''پیار پتنگ'' اڑانے پر بضد ہیں تو اس کی ایک ہی وجہ ہے کہ ہمارے دل پتھر ہو چکے ہیں:

جتنے معمار ہیں اس دور کے سب پتھر ہیں　　　جتنے افکار ہیں اس دور کے سب پتھر ہیں

کبھی وہ دن تھے کہ مسلمانوں کو کانٹا کابل میں چبھتا تھا اور ہندوستان کا ہر پیر و جواں بے تاب ہو جاتا تھا۔ ہندوستان کا مسلمان بھی کوئی سکھی نہیں تھا...... وہ خود اپنے ہی دیس میں گوناں گوں مصائب میں پھنسا ہوا تھا...... لیکن اس کے باوجود وہ سب سے پہلے ہندوستان کا نعرہ بلند کرنے کی بجائے جہاں کہیں اور جس جگہ بھی کسی مسلمان کو بے قرار دیکھتا تو اپنی تکالیف و مصائب کو بھول کر اس کے دکھ درد میں شریک ہو جاتا۔ تحریک خلافت جیسی عظیم تحریک کے دوران ہندوستانی مسلمانوں نے ایثار و قربانی کی جولازوال داستانیں ثبت کی ہیں، وہ ہماری تاریخ کا روشن باب ہیں...... جب مولانا محمد علی جوہر کا ''کامریڈ'' اور ''ہمدرد''، مولانا ابوالکلام آزاد کا ''الہلال'' اور مولانا ظفر علی خاں کا ''زمیندار'' ہندوستان کے باہر کے مسلمانوں کے لیے حکومت وقت کے خلاف شعلے اگل رہا تھا۔ جب اقبال تہذیب حجازی کا مرثیہ لکھ رہا تھا:

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونناب بار　　　وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار

لیکن آج ''سب سے پہلے پاکستان'' کی سوچ کو پروان چڑھانے والے روشن خیالوں سے کوئی پوچھے کہ افغانستان، عراق اور فلسطین میں شہید ہونے والے تو ''باہر'' کے لوگ ہیں لیکن بسنت نائٹ کے موقع پر اندھی فائرنگ کا شکار ہونے والے عبدالرحمٰن، مریم اور حیدر علی جیسی معصوم کلیوں کا تعلق کس چمن سے تھا؟ ہوسکتا ہے سات سالہ مریم سے یہ پوچھا گیا ہو کہ ''بای ذنب قتلت'' تمہیں کس گناہ میں قتل کیا گیا؟ اور کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے جواب میں خون آشام کھیل میں شریک لوگوں پر فردِ جرم عائد کر دی جائے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ ان مرجھانے والی کچی کلیوں کے والدین کی آہ و بکا سے کسی بڑی مصیبت، کسی بڑے عذاب کا فیصلہ ہو جائے:

نہ جا اُس کے تحمل پہ کہ بے ڈھب ہے گرفت اُس کی　　　ڈر اُس کی سخت گیری سے کہ ہے سخت انتقام اُس کا

ڈرو اُس عذاب سے کہ جب آتا ہے تو آٹے کے ساتھ گھن کو بھی پیس دیا جاتا ہے۔ پھر لاشوں پر رونے والا کوئی نہیں ہوتا...... جب آبادیاں ویرانوں میں بدل جاتی ہیں...... جب مردے دفنانے کے لیے لوگ میسر نہیں آتے۔ جب اجتماعی قبریں بنتی ہیں۔ جب انسانی لاشوں پر کوے اور گدھ منڈلا رہے ہوتے ہیں۔ ابھی وقت ہے، ابھی درِ توبہ کھلا ہے! کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر مہلت عمل ختم ہو جائے۔ اُس وقت سے پہلے پہلے جو زبانوں سے روکنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ وہ اپنی زبانوں کو حرکت میں لائیں اور جن کے ہاتھوں میں دم ہے وہ اپنا ہنر آزمائیں: فھل منکم من مبارز پس ہے کوئی تم میں احتجاج کرنے والا ہے کوئی ان کچی کلیوں پر رونے والا جو بن کھلے مرجھا گئیں۔ ہے کوئی ایسا جو اِن کی موت کا نوحہ لکھے! ایسا نوحہ جو دیدۂ عبرت کو وا کر دے، جو کانوں کو گوشِ نصیحت نیوش کر دے!

☆☆☆

محمد عمر فاروق (تلہ گنگ)

مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور مجلس احرار اسلام

''بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے آخر میں برِّعظیم کے مسلمان رہنماؤں نے ایک ایسی دینی و سیاسی تنظیم کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جو محض علماء یا صرف سیسی زعماء کی نمائندہ نہ ہو اور کانگریس کے ہر فیصلے پر اپنا سر تسلیم خم نہ کرتی ہو، بلکہ ایک ایسی وسیع المشر ب اور ملک گیر جماعت ہو۔ جس میں علماء کرام، جدید تعلیم یافتگان، شاعر، ادیب، صحافی، مزدور، کسان اور بلاتفریق مسلک ہر مکتبہ فکر کو نمائندگی حاصل ہو اور وہ بغیر کسی کو خاطر میں لائے اپنی آزادانہ رائے رکھتی ہو اور اپنے فیصلے کرنے میں خود مختار ہو۔ طویل سوچ و بچار، مشاورت اور گہرے تدبر و فکر کے بعد بالآخر ۲۹ر دسمبر ۱۹۲۹ء کو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، چودھری افضل حق ؒ، شیخ حسام الدینؒ اور مظہر علی اظہرؒ کی قیادت میں آل انڈیا مجلس احرار اسلام کا قیام عمل میں آیا۔ ''مجلس احرار اسلام کے قیام میں بنیادی مشورہ محدّث العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کا شامل تھا''۔(۱)

مجلس احرار کے رہنماؤں کو اپنی فہم و فراست، تدبر و بصیرت، اخلاص و ایثار اور بے غرض قومی و دینی خدمات کی بدولت تحریک خلافت کے دوران ہی ہندوستان بھر میں شہرتِ دوام حاصل ہو چکی تھی۔ اس لیے مجلس احرار اسلام کی بنیاد پڑتے ہی ملک کے اکناف و اطراف میں سرخ پوشانِ احرار کی تعداد بلا مبالغہ لاکھوں نفوس تک جا پہنچی اور ابھی احرار کو معرضِ وجود میں آئے عرصہ ہی کتنا گزرا تھا کہ انہوں نے کشمیر کی پہلی عوامی تحریکِ آزادی کی نیو اٹھا دی اور اس تحریک میں پچاس ہزار احرار رضا کاروں نے گرفتاری دے کر یہ ثابت کر دیا کہ احرار اپنی قربانیوں اور خداداد صلاحیتوں کی بدولت آل انڈیا کانگریس سے بھی کہیں بڑی تحریک چلانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے انتہائی قلیل مدت میں کئی عظیم الشان تحریکیں چلا کر ہندوستان کی محکوم فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا اور مختلف النوع افراد کی بڑی تعداد کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے میں کامیاب ہو گئے۔

۱۹۳۴ء کے آخر میں سرحد کے حُرّیت طبع مجاہد حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو بھی احرار ہی کے دامن سے وابستہ ہونے میں ہی اپنی آتشِ دل کا سامان میسر ہوتا نظر آیا۔ اور وہ اس دور میں اس قافلۂ سخت جانانِ احرار میں شامل ہوئے جب ہزارہ اور سرحد خدائی خدمت گار تحریک کا گڑھ بنے ہوئے تھے، لیکن مولانا ہزارویؒ کے لیے وہاں دلچسپی کا باعث کچھ بھی نہ تھا بلکہ مولانا سید حامد میاںؒ کے بقول:

طبعاً وہ سیاسی مگر جوشیلے سیاسی تھے۔ ایسا ماحول زندہ دلانِ احرار کا تھا، اس لیے مجلس احرار میں کام کرتے رہے۔(۲)

مولانا ہزارویؒ کی احرار میں شمولیت کو بھرپور انداز میں سراہا گیا۔ اکابر احرار نے اس نووارد ساتھی کی دل و جان سے پذیرائی کی، یہاں تک کہ آپ کو ۱۰ر نومبر ۱۹۳۵ء میں سیالکوٹ میں منعقدہ ''آل انڈیا پولیٹیکل احرار کانفرنس'' کی صدارت کا اعزاز بھی بخشا گیا۔ آل انڈیا مجلس احرار اسلام کے جنرل سیکرٹری مولانا مظہر علی اظہر نے اس کانفرنس میں اپنے خطبۂ استقبالیہ کے بعد صدر کانفرنس مولانا غلام غوث ہزارویؒ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا:

''احرار کا یہ وصف رہا ہے کہ اس نے ہر مخلص اور محنتی کارکن کو اپنے نزدیک لاکر اسے اونچے سے اونچا مقام عطاء کیا۔ مولانا غلام غوث اپنے علاقہ (ہری پور، ہزارہ) اور صوبہ سرحد میں اپنی قربانیوں اور گوناں گوں مشکلات جھیلنے کے باعث مشہور ہیں۔ انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، لیکن اس پر بھی وہ گمنام رہے اور وہ شہرت نہ حاصل کر سکے، جس کے وہ مستحق تھے۔ مجلس احرار نے اپنی روایات کے مطابق ان کی قدر کی اور انہیں ''آل انڈیا احرار کانفرنس'' کے صدارت کا اعزاز بخشا۔ مولانا موصوف مذہبی طور پر دیوبند سے فارغ ہیں اور سیاسی طور پر شمالی صوبہ سرحد میں سرخ پوش تحریک کے قائد رہ چکے ہیں۔''

۱۱؍اکتوبر کو پنڈال میں پرچم احرار لہرایا گیا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی نے پرچم کشائی کے بعد کہا کہ:

''یہ جھنڈا آزادئ ہند اور خدا کے نام کو بلند کرنے کا جھنڈا ہے۔ اس کو بلند کرنے سے ہم پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اس کی بلندی کو قائم رکھنے کے لیے ہمیں کن قربانیوں کی ضرورت پیش آئے گی؟ اس کا احساس کریں اور اس سرخ پرچم کے سائے میں آج وعدہ کریں کہ اگر کبھی اس کی سرخی کو قائم رکھنے کے لیے خون کا آخری قطرہ بھی دینا پڑا تو اس سے دریغ نہیں کریں گے''۔ (۳)

مولانا غلام غوث ۱۹۳۵ء میں ہی احرار کے مرکزی نائب صدر منتخب کر لیے گئے۔ اسی برس (۱۹۳۵ء) آپ ہی کی دعوت و ترغیب پر سردار عبدالرب نشتر، مفتی سرحد مولانا عبدالقیوم پوپلزئی، خان مہدی زمان خان، کھلابٹ (ہزارہ)، حکیم عبدالسلام ہزاروی اور بعد ازاں خان میر ہلالی، شیخ ابراہیم پراچہ کوہاٹ اور قاضی محمد اسلم ایڈووکیٹ پشاور قافلۂ احرار کے رکن بنے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی نے زعمائے احرار کی معیت میں حکومتِ الٰہیہ کے قیام، آزادئ وطن اور تحفظ ختم نبوت کے لیے ہندوستان بھر کے دورے کیے اور اپنی آتش نوائیوں سے خرمنِ باطل نشانے پر لیے رہے۔ ۷،۸،۹؍اپریل ۱۹۳۹ء کو پشاور میں تاریخ ساز آل انڈیا احرار کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس کے انعقاد میں صوبہ سرحد کے احرار رہنماؤں نے مولانا ہزارویؒ کی رہنمائی میں گرانقدر کردار ادا کیا۔ یہی وہ تاریخی کانفرنس تھی، جس میں مفکرِ احرار چودھری افضل حق نے جنگِ عظیم دوم کی پیشگوئی بھی کی تھی۔ مردِ حق آگاہ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ پورے ہو کر رہے اور ۳؍ستمبر ۱۹۳۹ء کو جنگِ عظیم دوم کا آغاز ہو گیا۔ برعظیم میں مجلس احرار اسلام ہی وہ واحد جماعت تھی۔ جس نے اسے سامراجی جنگ قرار دیتے ہوئے، ۱۱؍ستمبر ۱۹۳۹ء کو جنگ میں بھرتی نہ دینے کی قرارداد منظور کی اور تحریک فوجی بھرتی بائیکاٹ کا آغاز کر دیا۔ جبکہ مسلم لیگ اور کانگریس کو ابھی لب کشائی کی جرأت ہی نہ ہو سکی تھی کہ احرار کے جیالے کلمۂ حق بلند کرتے ہوئے دار و رسن کے مرحلوں سے گزرنے لگے۔

صوبہ سرحد میں مجلس احرار نے مولانا ہزارویؒ کی قیادت میں پشاور کو اس تحریک کا مرکز بنا کر انگریز کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکا رکھی تھی، لیکن حکومتِ سرحد گرفتاریوں سے بوجوہ گریزاں تھی۔ جانباز مرزا نے ان دنوں کی سرگزشت کو اس طرح تحریر کیا:

''صوبہ سرحد مولانا غلام غوث کے سپرد تھا کہ وہ وہاں سے اس تحریک کا آغاز کریں۔ چنانچہ پشاور شہر کو تحریک کا مرکز قرار دیا۔ مولانا مفتی عبدالقیوم پوپلزئی ڈکٹیٹر اوّل قرار پائے۔ چنانچہ مولانا عبدالقیوم پوپلزئی کی سرپرستی میں احرار سرخ پوشوں نے صوبے کا دورہ کیا۔ فوجی بھرتی کے خلاف تقریریں کیں، نعرے لگائے مگر حکومت نے نہ تو انہیں گرفتار کیا اور نہ ہی کسی رضا کار سے باز پرس کی گئی۔ یہ سلسلہ سرخ پوشوں کی معیت میں راولپنڈی جا کر سول نافرمانی کریں

وہ راولپنڈی پہنچے اور کچہری جا کر عدالتوں کی کارروائی میں رکاوٹ پیدا کرنا چاہی مگر اس پر بھی قانون حرکت میں نہ آیا۔ اس طرح سرحد میں مجلس احرار کی یہ تحریک ناکام ہوگئی لیکن مولانا غلام غوث ہزاروی کو بعد ازاں سرکاری حکم کے تحت ایک سال کے لیے سرحد سے نکال دیا گیا۔ پنجاب اور یوپی میں تحریک زوروں پر تھی۔ مولانا غلام غوث نے ان دونوں صوبوں کی کمان سنبھال لی اور اس سلسلہ میں دہلی جا بیٹھے۔ جیسے ہی وہاں گرفتاری کا شبہ ہوا۔ یہ روپوش ہو کر اندرون خانہ کام کرتے رہے۔ حکومت اپنی تمام تر کوشش کے باوجود انہیں تلاش نہ کر سکی۔'' (۴)

جب مولانا غلام غوث سرحد میں سرگرم عمل تھے تو حکومتِ برطانیہ کے شعبہ انٹیلی جنس نے ان کے متعلق یہ خفیہ رپورٹ مرتب کی:

''پنجاب میں فوجی بھرتی کے خلاف پروپیگنڈا تیز کرنے کے لیے ایک منصوبے کے تحت اعلان کیا گیا تھا کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ کے احرار راولپنڈی میں گرفتاری دیں گے...... شمال مغربی سرحدی صوبہ کی مجلس احرار کے صدر مولانا غلام غوث ہزاروی سے حاصل کردہ ہدایات کے مطابق مجلس احرار کے دس کارکنوں کا قافلہ مفتی عبدالقیوم پوپلزئی کی قیادت میں پہلے ہی راولپنڈی پہنچ چکا ہے۔'' (۵)

مجلس احرار اسلام کی ورکنگ کمیٹی کو توڑ کر ڈکٹیٹر شپ کا نظام جاری کر دیا گیا تھا۔ اس لیے آل انڈیا مجلس احرار اسلام کے ڈکٹیٹر سردار محمد شفیع نے جنوری ۱۹۴۱ء کو اپنی گرفتاری سے پہلے اپنے بعد مولانا غلام غوث کو ڈکٹیٹر مقرر کیا۔ انہی دنوں مجلس احرار سرحد کے سالار جنرل وہاب الدین خان، مولانا فضل حق (مسجد مہابت خان پشاور) اور مولانا حسین بخش (ڈیرہ اسماعیل خان) کو گرفتار کر لیا گیا۔ حالانکہ اس سے پیشتر سرحد حکومت نے احرار رہنماؤں کی گرفتاری سے ہاتھ کھینچ رکھا تھا۔

مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے ڈکٹیٹر شپ سنبھالتے ہی تحریک کو رواں دواں رکھنے کے لیے دوروں کا آغاز کیا لیکن محرم الحرام کے احترام کے پیشِ نظر سول نافرمانی کی تحریک کو عارضی طور پر روک دیا گیا۔ مولانا ہزارویؒ نے اس کا اعلان اخبارات میں اپنے اس بیان کے ذریعے کیا:

''(۱) ماہِ محرم کے احترام میں ۸ر فروری ۱۹۴۱ء تک سول نافرمانی کی تحریک کو ملتوی رکھا جائے اور ان دنوں تنظیم رضا کاران کی طرف توجہ دی جائے۔ نیز فی الحال ڈکٹیٹری نظام ختم اور جماعت کے جمہوری نظام کو بحال سمجھا جائے لیکن وار کونسلیں بطور خاص اپنا نظام برقرار رکھیں تا کہ تحریک میں کوئی جھول محسوس نہ ہو۔

(۲) مردم شماری قریب آ رہی ہے۔ اس کی اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اگر ذرا سا تساہل برتا گیا تو اس کا اثر قوم کے مستقبل پر پڑے گا۔ لہٰذا احرار کارکنوں کو چاہیے کہ وہ بلا امتیاز سیاسی اختلاف کے اس وقت کو ضائع نہ کریں اور شہروں میں پھیل جائیں۔ ہر مسلمان کو آمادہ کریں کہ وہ اپنا مذہب اسلام، قوم مسلمان اور زبان اردو لکھوائیں۔'' (۶)

بجائے اس کے کہ گورنمنٹ مجلس احرار کے اس رویے کو تحسین کی نظر سے دیکھتی ۱۴ر فروری ۱۹۴۱ء کو سرحد کے دورے کے دوران مولانا غلام غوث کو حراست میں لے لیا گیا۔ ان کی گرفتاری کے فوراً بعد مجلس احرار اسلام سرحد کے سیکرٹری حسین بخش سمیت احرار کے سترہ رضا کاروں کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتاری کے دوسرے ہی دن چارسدہ کی عدالت نے مولانا غلام غوث ہزاروی کو ایک سال اور حسین بخش کو چھ ماہ کی سزا سنادی۔ اس کے بعد ساتھ ہی صوبہ سرحد میں بھی احرار رہنماؤں

اور کارکنوں کو دھڑا دھڑ گرفتار کیا جانے لگا اور جیلوں میں ان پر تشدد کی انتہا کر دی گئی۔ اخبارات کی ایک خبر کے مطابق:

''مجلس احرار اسلام کے مرکزی رہنما تاج الدین انصاری نے حکومت سرحد کے اس غیر شریفانہ رویے کے خلاف کہ اس نے سرحد کے احرار رہنماؤں اور کارکنوں پر جیل میں تشدد روا رکھا ہوا ہے۔ ۴؍اپریل ۱۹۴۱ء کو سارے ہندوستان میں یومِ احتجاج منانے کا اعلان کیا ہے۔ اس سلسلے میں جلسوں اور جلوسوں میں قرار دادیں منظور کی جائیں، جن کی رپورٹ فوراً مرکز کو دی جائے۔'' (۷)

۱۹۴۲ء میں کانگریس کی ''ہندوستان چھوڑ دو تحریک'' کا آغاز ہوا تو خدائی خدمت گار تحریک کے سربراہ خان عبدالغفار خان شمال مغربی سرحدی صوبہ کے آزاد قبائل کو اس تحریک میں شمولیت کے لیے ''پُر امن انقلاب'' کی دعوت دینے لگے۔ جس سے کئی غلط فہمیوں اور اندیشوں کو راہ ملنے لگی۔ جس پر مولانا غلام غوث کی زیر صدارت ۵؍نومبر ۱۹۴۲ء کو مجلس احرار اسلام صوبہ سرحد کے پشاور میں ہونے والے ایک طویل اجلاس کے بعد حسب ذیل قرار داد کی منظوری دی گئی:

''مجلس احرار صوبہ سرحد کی مجلس عاملہ کا یہ خصوصی اجلاس نہایت افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ خان عبدالغفار کی تقاریر حکومت افغانستان اور آزاد قبائل کے بارے میں جو غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا کر رہی ہیں وہ اسلامی اخوت اور واقعات کے بالکل منافی ہیں۔''

مثلاً ہنگو کے پبلک جلسہ میں آپ نے فرمایا:

''ہماری حکومت (کانگریس) ایسی ہوگی اس میں جو حال ہمارا ہوگا، وہی تمہارا۔ جو ہم کھائیں گے، وہی آپ لوگ کھائیں گے۔ افغانستان کی حکومت کی پالیسی نہ ہوگی کہ خود تو مزے کریں اور رعایا بھوکوں مرے۔''

نیز صوبہ کے مختلف مقامات کی تقاریر میں آپ کا یہ فرمانا کہ

''اگر ہمیں کوئی خطرہ ہے تو وہ صرف آزاد قبائل کے ڈاکوؤں اور غارتگری سے ہے۔''

اسی طرح حال ہی میں چارسدہ کیمپ میں آپ کا یہ فرمانا کہ

''فقیر اپی وغیرہ کے لوگ انگریز کے اشاروں پر لڑتے ہیں تاکہ انگریزی فوجوں کی اس علاقے میں فوجی ٹریننگ کا موقع ملے۔''

حالانکہ آزاد اسلامی قبائل نے سرحدی سیاسی لوگوں کی ہمدردی یا اسلامی ضرورت کے تحت انگریزوں سے لڑائیاں کیں۔ جن میں ان کو بہت سے جانی و مالی نقصانات بھی اٹھانا پڑے۔

مجلس احرار اسلام کی رائے میں اس قسم کی تقاریر سے اہل اسلام دلی صدمہ محسوس کرتے ہیں۔ کیونکہ ان سے مسلمانوں کے اندر باہمی منافرت کے جذبات پرورش پاتے ہیں۔ پس یہ اجلاس نہایت ادب کے ساتھ خان موصوف سے درخواست کرتا ہے کہ از راہِ مہربانی آئندہ ایسی دلخراش تقاریر کا سلسلہ بند کریں۔

مجلس احرار اسلام کی ورکنگ کمیٹی اس رائے کا اعلان کرتی ہے کہ:

''آزاد قبائل میں کانگریس کی مداخلت خطرے سے خالی نہیں۔ نیز یہ اجلاس آزاد قبائل سے بھی درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنا گھر درست اور اندرونی حالات کی اصلاح کریں۔ آپس کا اتحاد اور اسلام کی پابندی تمام مشکلات کا واحد

علاج ہے۔ لہٰذا بیرونی اثر قبول کیے بغیر اپنے اندر یکجہتی پیدا کریں اور عالم اسلام کے مفاد کا خیال رکھیں۔'' (۸)

۱۹۴۳ء میں مجلس احرار اسلام کے معروف رہنما حضرت مولانا محمد گل شیر خان شہیدؒ کالا باغ کے نواب امیر محمد خان کے عوام پر عائد کردہ ظالمانہ ٹیکسوں اور ناروا سلوک کے خلاف ''تحریک کالا باغ'' کا آغاز کیے ہوئے تھے۔ کالا باغ کے اندر مجلس احرار اسلام کی تنظیم کے متحرک اور فعال ہونے اور عوام ہی بیداری کے پیدا ہونے سے نواب کالا باغ اور اس کے کارندوں کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ جب کالا باغ کے جاگیرداروں کے مظالم نے اپنی آخری حدوں کو چھو لیا تو احرار کی تحریک پر عوام کی ایک معقول تعداد نے کالا باغ سے ہجرت کر لی۔ ان مہاجرین کے کیمپ دفتر احرار لاہور کے سامنے لگائے گئے۔ احرار کی اپیل پر ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو ہندوستان بھر میں ''یوم کالا باغ'' منایا گیا اور اسی اثناء میں مولانا مظہر علی اظہر نے مولانا غلام غوث کو کالا باغ میں تحقیقات کے لیے بھیجا۔ مولانا غلام غوث پر کالا باغ میں کیا بیتی۔ اسی روداد سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کالا باغ کے عوام کن صعوبتوں سے گزر رہے تھے:

> ''مولانا غلام غوث کے ہمراہ ایک سور ضا کار بھی کالا باغ پہنچے۔ یہ لوگ کالا باغ عیدگاہ میں ٹھہرے۔ جمعہ کا دن تھا، نماز جمعہ مولوی قاضی نور احمد نے پڑھائی۔ یہ پیشتر سے اس مسجد کے خطیب تھے۔ نماز کے بعد مولانا غلام غوث نے تقریر کرنا چاہی تو خطیب نے انہیں روک دیا۔ مولانا نے کہا کہ میں صرف قرآن پڑھوں گا۔ لیکن اس کی بھی اجازت نہ دی گئی۔ مسجد میں یہ بحث جاری تھی کہ نواب کے مسلح آدمی باہر کھڑے تھے۔ اس کے بعد مولانا غلام غوث بمعہ احرار رضا کاروں کے شہر کے درمیان واقع ایک دوسری مسجد میں چلے گئے مگر وہاں ان کے پہنچنے پر پانی کے تمام مٹکے توڑ دیئے گئے۔ یہاں تک کہ وضو کے لیے بھی پانی نہ رہا۔ اس رات تمام لوگ بھوکے تھے کہ رات کے اندھیرے میں چھپ کر کچھ لوگ روٹیاں لائے۔ صبح کی نماز بغیر وضو کے پڑھی گئی۔'' (۹)

مولانا غلام غوث نے ان تمام حالات کی رپورٹ مرکز میں پہنچائی۔ تحریک اپنی راست سمت میں بڑھ رہی تھی کہ اسی دوران ظالم جاگیرداروں نے تحریک کے روح رواں مولانا محمد گل شیر شہیدؒ کو ۲۳، ۲۴ مئی ۱۹۴۴ء کی درمیانی شب گھر میں گولی مار کر شہید کر دیا اور اس طرح کالا باغ کے مظلوموں کے حق میں بلند ہونے والی آواز دبا دی گئی۔ لیکن آج اس تحریک کے اثرات واضح طور پر محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

۱۹۴۳ء کا سال برعظیم کی سیاست میں اہم موڑ رکھتا ہے۔ اسی برس سہارن پور میں مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام یو۔ پی پراونشل احرار کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت کا شرف مولانا غلام غوث ہزاروی کو حاصل ہوا۔ اس موقع پر شہر بھر میں آرائشی دروازے بنا کر انہیں قائدِ احرار کے اسمائے گرامی سے منسوب کیا گیا۔ جن میں سے ایک ''بابِ غلام غوث'' بھی تھا۔ کانفرنس کے اختتام پر احرار کی مجلس عاملہ نے اپنی تاریخی ''قرارداد سہارن پور'' منظور کی۔ جسے برعظیم کی تحریک آزادی میں شہرت عام حاصل ہوئی۔

دوسری صوبائی احرار کانفرنس ۲۲ تا ۲۵؍ اپریل ۱۹۴۴ء کو زیر صدارت شیخ حسام الدینؒ دہلی میں منعقد ہوئی۔ جس کے بعد مجلس احرار اسلام کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں کئی قراردادیں بالاتفاق منظور کی گئی تھیں۔ ان دنوں بنگال میں انگریزوں کی کارستانیوں کے نتیجے میں شدید قحط سالی کا دور دورہ تھا۔ مولانا غلام غوث نے بھی اس کی مناسبت سے ایک

قرارداد پیش کی۔ جس کی تائید حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فرمائی۔ قرارداد یہ تھی:

''قحط بنگال کے سلسلے میں وفدِ احرار کی کارکردگی کو بہ نظرِ استحسان دیکھتے ہوئے عوام کو متوجہ کیا گیا کہ بنگال میں عوام الناس کی خستہ حالی کے دور کو ختم سمجھ کر غافل نہ ہوں۔ بلکہ احرار کو وفد نے عوام کو بھکاری بننے سے بچانے کے لیے جو امدادی مرکز کھولنے کا فیصلہ کیا ہے' اس کی اہمیت کے پیش نظر یہ اجلاس لوگوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس پروگرام کی تکمیل کے لیے مجلس کا زیادہ سے زیادہ ہاتھ بٹائیں۔'' (۱۰)

مولانا غلام غوثؒ نے مجلس احرار کے سٹیج سے تحریکِ آزادی برعظیم میں بھرپور کردار ادا کیا اور قید و بند کے مراحل سے دیوانہ وار گزرتے رہے۔ یہاں کہ پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ پاکستان بننے کے بعد آپ مجلس احرار اسلام کے مرکزی ناظم اعلیٰ رہے۔

مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی ہمہ جہت شخصیت کا ایک نمایاں پہلو اُن کی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بے پایاں محبت کا بھی ہے۔ مجلس احرار اسلام کی ''تحریک مدح صحابہؓ '' سے عظمتِ صحابہؓ اور تحفظ ناموسِ صحابہؓ کا جو تاثر انہوں نے قبول کیا تھا۔ وہ اُن کا منشورِ حیات قرار پایا۔ مولانا مظہر علی اظہر جنرل سیکرٹری مجلس احرار اسلام جو کہ شیعہ مذہب رکھتے تھے لیکن وہ عمر بھر صحابہ کرامؓ کے معترف رہے بلکہ جب لکھنؤ میں صحابہؓ کی تعریف کرنا قانوناً جرم قرار دے دیا گیا تو اس قانون کو ختم کرانے کے لیے مجلس احرار اسلام نے ''تحریک مدح صحابہؓ '' کا اجراء کیا۔ اس تحریک کے دوران مولانا مظہر علی اظہر اور اُن کے صاحبزادے مصطفیٰ قیصر کی قیادت میں احرار رضاکاروں کے جلوس قافلوں کی صورت میں اس قانون کو توڑنے کے لیے لکھنؤ گئے اور گرفتاری بھی پیش کی۔ اس کے باوجود بھی مولانا غلام غوث نے ایک موقع پر مولانا مظہر علی اظہر کے متعلق بڑا شدید رویہ اختیار کیا جو اُن کی یارانِ مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ دلی محبت اور کیفیت کا آئینہ دار ہے اور اُن کی جماعتی وفاداری کا عکاس بھی کہ انہوں نے جماعتی فیصلے پر اپنی رائے کو کس طرح قربان کیا۔ جانباز مرزا راوی ہیں:

''لاہور میں احرار کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہو رہا تھا کہ اس دوران لکھنؤ کی تحریک مدح صحابہؓ کا ذکر چھڑ گیا۔ اس پر مولانا غلام غوث نے مولانا مظہر علی اظہر کے متعلق اعتراض اٹھایا کہ وہ مذہب جعفریہ سے متعلق ہیں، لہٰذا اُنہیں جماعت سے الگ کر دیا جائے۔ ورکنگ کمیٹی نے مولانا کا یہ اعتراض مسترد کر دیا۔ لیکن حضرت امیر شریعت' مولانا غلام غوث پر اس قدر برسے کہ ورکنگ کمیٹی کو شبہ ہونے لگا کہ شاید مولانا ناراض ہو کر پارٹی چھوڑ جائیں گے مگر نہیں۔ حالانکہ شاہ جی نے واضح طور پر کہہ دیا کہ آپ جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں' مگر جماعت مولانا مظہر علی کو کسی صورت الگ نہیں کر سکتی۔ مولانا غلام غوث نے اس موقع پر جس حوصلہ کا ثبوت دیا' وہ ان کی جماعتی وفاداری کا شاندار کارنامہ ہے۔'' (۱۱)

روزنامہ ''جنگ'' لاہور کے ممتاز صحافی جناب صہیب مرغوب نے ایک دفعہ اپنے اخبار میں ایک تحقیقاتی رپورٹ میں انٹیلی جنس کی اطلاعات کے حوالے سے لکھا تھا:

''قیامِ پاکستان کے بعد شیعہ کو اقلیت قرار دینے کا سب سے پہلا مطالبہ مولانا غلام غوث ہزاروی ناظم مجلس احرار اسلام پاکستان نے کیا تھا۔''

تحفظِ ناموسِ صحابہؓ پر انہوں نے کبھی کوئی سمجھوتہ نہ کیا۔ یہاں تک کہ غیروں کی مخالفتوں اور قاتلانہ حملوں کے علاوہ اپنوں کی طعنہ زنی اور دشنام گوئی بھی ان کے عزم و استقامت میں کمی نہ لا سکی۔

مجلس احرار اسلام نے آزادی کے بعد سیاست سے علیحدگی کا اعلان کیا اور اپنی سرگرمیوں کا دھارا دینی امور بالخصوص تحفظ ختم نبوت کی طرف موڑ دیا تو مولانا ہزاروی بھی اکابر احرار کے شانہ بشانہ پوری تندہی کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کو قادیانی نبوت کے قلعے کو مسمار کرنے کے لیے بروئے کار لانے لگے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک مقدس تحفظ ختم نبوت مجلس احرار اسلام کا عظیم کارنامہ ہے۔ تحریک کے اجراء سے پیشتر ۱۳؍ جولائی ۱۹۵۲ء کو تمام جماعتوں کا اجلاس طلب کیا گیا۔ اس کا دعوت نامہ مردِ احرار مولانا غلام غوث ہزاروی کی طرف سے جاری کیا گیا تھا۔ تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران حضرت امیر شریعت اور احرار کی ہائی کمان کے حکم کے تحت فرزند و جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ (سید عطاء المنعم) اور مولانا غلام غوث گرفتاری سے بچتے ہوئے جیل سے باہر رہ کر کام کرتے رہے اور ریاستی جبر اور انتہائی نامساعد حالات میں بھی تحریک کو زندہ رکھا۔ جبکہ ان دونوں حضرات کو گولی سے اڑا دینے کے احکامات جاری کیے جا چکے تھے اور مولانا غلام غوث کی گرفتاری پر دس ہزار روپے کا انعام بھی مقرر کیا گیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ تحریک تحفظ ختم نبوت جسے ۱۹۵۳ء میں جنرل اعظم خان جیسے درندہ صفت لوگوں نے کچل ڈالا تھا۔ ۱۹۷۴ء میں کامیابی سے ہمکنار ہوگئی۔ مجلس احرار، تحریک ختم نبوت کی وجہ سے قانون کی زد میں آئی اور اسے خلافِ قانون قرار دے دیا گیا۔ بعدازاں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ایماء پر مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے ۱۹۵۶ء میں جمعیت علماء اسلام کی بنیاد رکھی اور پھر وہ جمعیت ہی کے ہو کر رہ گئے۔

۱۹۷۴ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران جب قومی اسمبلی میں قادیانیوں کے متعلق بحث کا آغاز ہوا تو آپ نے قادیانیوں کے اعتراضات کا ۲۵۷ صفحات پر مبنی مدلل جواب ''جوابِ محضر نامہ'' کی صورت میں دیا۔ اسی کے ساتھ ہی عوام الناس اور اراکین اسمبلی پر قادیانیوں کا کفر واضح کرنے کے لیے ان کے قلم سے ایک مبسوط مقالہ ''مرزائی قطعی کافر اور غیر مسلم اقلیت ہیں'' نکلا۔ تحفظ ختم نوت کے سلسلے میں ہی آپ نے اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو سے ملاقات کی اور انہیں قادیانیوں کے کفریہ عقائد اور ان کی ارتدادی سرگرمیوں کے متعلق تفصیلاً آگاہ کیا اور انہیں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر قائل کر لیا۔ یہ مولانا ہزاروی کا کارنامہ تھا کہ انہوں نے بھٹو کو امتِ مسلمہ کے اجتماعی مطالبے کے آگے سرتسلیم خم کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ جس کی بدولت قومی اسمبلی نے بھاری اکثریت سے ۷؍ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت تسلیم کر لیا۔ وگرنہ مولانا عبدالحکیم مرحوم (سابق ایم این اے) کے بقول: اپوزیشن ممبران کی اسمبلی میں تعداد صرف تینتیس (۳۳) اراکین پر مشتمل تھی۔ قادیانیوں پر قومی اسمبلی میں بحیثیت رکن اسمبلی سب سے زیادہ سوالات بھی مولانا غلام غوث نے کیے۔ جبکہ مولانا غلام غوث کا ہی کہنا تھا کہ:

''مفتی محمود، مودودی، ولی خان ان تین آدمیوں نے کوئی ایک سوال نہیں کیا۔'' (۱۲)

فروری ۱۹۷۶ء میں ربوہ (اب چناب نگر) میں مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام مسلمانوں کی پہلی مسجد ''مسجدِ احرار'' کے افتتاح کا اعلان ہوا تو مولانا غلام غوث ربوہ میں مسلمانوں کے داخلے پر عائد پابندیوں کو توڑتے ہوئے ''مسجدِ احرار'' پہنچے۔ آخر وہ اس تاریخ ساز اجتماع میں کیوں شریک نہ ہوتے کہ وہ جس عظیم مقصد کے حصول کے لیے اکابر احرار کے زیر سایہ عمر بھر کوشاں رہے۔ یہ اس کی تکمیل کا دن تھا۔ ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاریؒ نے تقریر کی اور جانشین امیر شریعت مولانا سید ابوذر بخاریؒ نے نماز جمعہ کی امامت کرا کے دارالکفر والارتداد ربوہ میں اسلام کا پھریرا لہرا دیا اور یوں مولانا ہزاروی سمیت

کروڑوں مسلمانوں کی آرزوؤں کی تکمیل ہوگئی۔

۱۹۷۹ء میں آپ دوسری مرتبہ مسجد احرار ربوہ میں ''معراجِ مصطفی ﷺ کانفرنس'' سے خطاب کرنے کے لیے تشریف لائے اور یوں اُن کی زندگی کی ایک آخری خواہش بھی پوری ہوگئی۔

مولانا سید حامد میاںؒ لکھتے ہیں:

''مولانا حکیم محمد حسن صاحب مدظلہم نے بتلایا کہ مولانا غلام غوث فرماتے تھے کہ میری دو حسرتیں تھیں۔ وہ دونوں پوری ہوگئیں۔ ایک تو یہ کہ میں ربوہ میں تقریر کروں۔ چنانچہ میں نے وہاں تقریر کی اور ایسی زوردار تقریر کی کہ جیسے جوانی میں کیا کرتا تھا۔ دوسری یہ تھی کہ مودودی کی موت مجھ سے پہلے ہوجائے۔ سو وہ بھی پوری ہوگئی۔ میرے پاس جو کچھ تھا سب ورثاء کو دے چکا ہوں، مکان بھی دے چکا ہوں، اب فرشتہ کی آمد کا منتظر ہوں۔'' (۱۳)

مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے زعمائے احرار کی معیت میں برطانوی استعمار اور اس کے حاشیہ نشینوں کے خلاف جس پرخار سفر کا آغاز کیا تھا' وہ تادم زیست اسی منزل کے راہی رہے اور استعماریت کے خلاف ان کی عظیم جدوجہد میں کبھی کوئی جھول نہ آسکا۔ حکومتِ الٰہیہ کا نفاذ، سامراجی نظام کی بیخ کنی اور منکرین ختم نبوت کی سرکوبی مجلس احرار کے منشور کے بنیادی نکات تھے۔ مولانا غلام غوثؒ عمر بھر ان مقاصد کے حصول کے لیے سرگرم رہے۔ انہوں نے فرنگی استعمار کو اپنی آنکھوں سے ہندوستان چھوڑتے دیکھا اور قادیانی گماشتوں کو اپنے ہاتھوں کیفر کردار تک پہنچایا لیکن ان کی انتھک مساعی کے باوجود حکومتِ الٰہیہ کے قیام کا خواب ہنوز تشنۂ تعبیر ہے۔ جسے شرمندۂ تعبیر کرنا اب ہر دینی کارکن کا لازمی فریضہ ہے۔

---------------﴿حواشی﴾---------------

(۱) روایت مولانا انظر شاہ کشمیری۔ منقول روزنامہ ''جنگ'' میگزین لاہور۔ ۱۸ر جولائی ۱۹۸۴ء

(۲) ماہنامہ ''تبصرہ'' لاہور۔ ص ۱۳

(۳) جانباز مرزا ''کاروانِ احرار'' جلد دوم۔ ناشر مکتبہ تبصرہ لاہور۔ ص ۲۸۷، ۲۸۸۔ جون ۱۹۷۷ء

(۴) جانباز مرزا ''مولانا غلام غوث ہزاروی سے میری پہلی اور آخری ملاقات'' مشمولہ ہفت روزہ ''تبصرہ'' لاہور۔ اپریل ۱۹۸۱ء۔ ص ۶

(5) " PLOICE ABSTRACT OF INTELLIGENCE, PUNJAB". PAGE: NO 546

(۶) جانباز مرزا ''کاروانِ احرار''۔ جلد پنجم۔ صفحات: ۲۲، ۲۳

(۷) جانباز مرزا ''کاروانِ احرار''۔ جلد پنجم۔ ص: ۴۸

(۸) ہفت روزہ ''جمہوریت'' پشاور۔ ۲۹ر نومبر ۱۹۴۲ء

(۹) جانباز مرزا ''کاروانِ احرار''۔ جلد پنجم۔ صفحات: ۴۲۸، ۴۲۹

(۱۰) جانباز مرزا ''کاروانِ احرار''۔ جلد ششم۔ مکتبہ تبصرہ لاہور۔ ص ۷۰، اپریل ۱۹۸۱ء

(۱۱) ماہنامہ ''تبصرہ'' لاہور۔ ص ۸۔ اپریل ۱۹۸۱ء

(۱۲) ماہنامہ ''تبصرہ'' لاہور۔ مولانا ہزاروی نمبر۔ ص ۳۴۔ اپریل ۱۹۸۱ء

(۱۳) ماہنامہ ''تبصرہ'' لاہور۔ مولانا ہزاروی نمبر۔ ص ۱۴۔ اپریل ۱۹۸۱ء

غلام محمد خان نیازی
فیصل آباد (حال مقیم کینیڈا)

ماسٹر تاج الدین انصاری رحمہ اللہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ مجلس احرار اسلام کا ہر رہنما اور کارکن اپنی ذات میں مکمل تاریخ اور قربانی و ایثار کا مرقع ہے لیکن بعض ایسے منفرد رہنما اور کارکن جماعت کی تاریخ میں نظر آتے ہیں' جنہوں نے اپنی زندگی کے روز وشب اس کی آبیاری اور نصب العین کے حصول کے لیے نہ صرف وقف کیے بلکہ ابتلا کا دور رہا ہو یا عام حالات وہ ہمیشہ اس کی ترقی کے لیے کمر بستہ اور نثار نظر آتے ہیں۔ ان مخلص اور ایثار پیشہ حضرات میں جناب ماسٹر تاج الدین انصاریؒ کا کردار اپنی بے لوث خدمات او رخوبیوں کی بنا پر اپنی مثال خود ہی رہا ہے۔

ماسٹر تاج الدین انصاریؒ لدھیانہ (مشرقی پنجاب انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کے حصول کے بعد آپ اپنی ہوزری کی صنعت سے منسلک ہوگئے۔ آپ اس کے ماہر اور ماسٹر تھے۔ مجلس احرار اسلام میں شمولیت سے پہلے آپ اس کاروبار میں نہایت خوشحال زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن جماعت میں شرکت کے بعد زیادہ وقت جماعتی سرگرمیوں میں صَرف کرنے لگے تو کاروبار کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ جس سے سابقہ معاشی حالت تو برقرار نہ رہی تاہم بعد میں درویشانہ زندگی پر ہی قناعت کر کے ہمہ وقت جماعت کی ترقی اور سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ چودھری افضل حق مرحومؒ کی وفات کے بعد مجلس احرار کے مرکزی دفتر لاہور میں اقامت رکھی اور تقسیم ملک کے بعد یا تو مرکزی صدر رہے یا جنرل سیکرٹری کے عہدہ پر فائز رہے۔ آپ نے اپنی باقی زندگی اُسی دفتر میں بسر کی اور آخر کار آپ کا جنازہ بھی اسی مرکزی دفتر ہی سے اٹھا۔

ماسٹر تاج الدین انصاریؒ نہایت میٹھے اور دھیمے مزاج کے رہنما تھے۔ انہوں نے اپنی تمام سیاسی زندگی میں کبھی جذباتی انداز اختیار نہیں کیا۔ مسئلہ یا معاملہ چاہے کتنا ہی مشکل یا پیچیدہ کیوں نہ ہو۔ آپ اسے اپنے فطری اور میٹھے انداز سے حل کرنے کی کوشش کرتے جو کہ جماعت کے دیگر ممتاز رہنماؤں کے مقابلہ میں صرف آپ کا ہی حصہ تھا۔ آپ کی گفتگو جچی تلی، شیریں لہجہ سے مزیّن تھی۔ سادگی اور بے تکلف انداز آپ کے مزاج کا خصوصی حصہ تھا اور یہی سادگی اور صفائی آپ کے پسندیدہ کھدر کے لباس سے آشکارا تھی۔

ماسٹر تاج الدین انصاریؒ صاحبِ قلم اور قادر الکلام مقرر تھے۔ آپ مجلس احرار اسلام کے ترجمان اخبار روزنامہ ''آزاد'' کے مدیر رہے اور تقسیم ملک سے پہلے ہفت روزہ ''افضل'' سہارن پور میں بھی اُن کی خدمات اور کاوشیں شائع ہوتی رہیں۔ پاکستان بن جانے کے بعد بھی ملک کے چیدہ چیدہ جرائد خصوصاً روزنامہ ''آزاد''، روزنامہ ''نوائے پاکستان''، ہفت روزہ ''چٹان''، ہفت روزہ ''خدام الدین'' اور ہفت روزہ ''سیرت'' میں آپ کے مضامین اور بیانات صفحۂ قرطاس کی زینت بنتے رہے ہیں۔ راقم اس وقت سے آپ کی سحر انگیز شخصیت سے غائبانہ طور پر متاثر ہوا جب فسادات بنگال کے موقع پر مجلس احرار اسلام کے شعبۂ خدمت خلق کے انچارج کی حیثیت سے بنگال جا کر مخلصانہ طور پر کام کیا اور اس کی کارروائی ہفت روزہ ''افضل'' سہارن پور میں شائع ہوتی رہی۔ جس کے مطالعہ سے راقم کے دل میں آپ کی بے لوث شخصیت جاگزیں ہوئی۔ متحدہ بنگال میں اس وقت مجلس احرار اسلام ہند کی کوئی نمایاں تنظیمی شاخ نہیں تھی لیکن ماسٹر تاج الدین انصاریؒ کی خدمات سے بنگالی زعماء اور دانشور اتنے متاثر ہوئے کہ مجلس احرار اسلام کے نصب العین اور پروگرام کے قریب آگئے۔ آپ کے کردار اور گفتگو سے

متاثر ہو کر کئی بنگالی زعماء نے مجلس احرار اسلام کی سالانہ کانفرنس منعقدہ لاہور میں آ کر شرکت کی اور جماعت کے رہنماؤں کو خراج تحسین پیش کیا۔ تقسیم ملک کے وقت آپ لدھیانہ کے مسلم کیمپ میں تب تک موجود رہے، جب تک تمام مسلمان روانہ نہ ہوئے۔ گو آپ اپنے اثر ورسوخ سے خود کیمپ میں موجود مسلمانوں سے پہلے ہجرت کر سکتے تھے لیکن آپ کی ملّی غیرت نے یہ گوارہ نہیں کیا اور جان ہتھیلی پر رکھ کر رات دن کیمپ میں بے بس اور بے کس مسلمانوں کی دیکھ بھال کو فرض اوّلین سمجھے رکھا۔ آپ کی خدمات سے متاثر ہو کر اس وقت لدھیانہ کے ڈپٹی کمشنر نے آپ کو تعریفی سند عطا کی۔ اس کیمپ کے حالات پر آپ نے ایک کتاب ''سرخ لکیر'' کے عنوان سے شائع کی۔ جس کے مضامین قسط وار روزنامہ ''آزاد میں بھی شائع ہوتے رہے۔ اب بھی یہ کتاب مختلف کتب فروشوں کے ہاں دستیاب ہے۔ مغربی پاکستان میں سیلاب کی تباہ کاریوں کے موقع پر احرار رضا کاروں کے ہمراہ بربادا ور تباہ شدہ متاثرین کے مکانات کی تعمیر میں مدد فرمائی اور ضروری اشیاء کی فراہمی کی کوشش کرتے رہے، جس کا اعتراف اس وقت کی صوبائی سکاؤٹ کمشنر پنجاب بیگم جی اے خان نے مختلف مواقع پر کیا اور ماسٹر تاج الدین انصاریؒ کی مخلصانہ اور بے لوث خدمات پر خراج تحسین کیا۔ ماسٹر تاج الدین انصاریؒ کی یہ خوبی رہی ہے کہ کوئی بھی مسلمان یا ادنیٰ سے ادنیٰ کارکن آپ سے رابطہ کرتا تو آپ اس کی مدد اور رہنمائی میں کبھی بھی دریغ نہیں کرتے تھے اور سائل کی تسلی کے لیے ممکن حد تک امداد اور رہنمائی فرمایا کرتے تھے۔

تقسیم ملک کے بعد مجلس احرار اسلام نے سیاسی پلیٹ فارم سے کنارہ کشی اختیار کر کے فتنۂ مرزائیت کی بیخ کنی اور تعاقب کو نصب العین بنا کر رات دن کوشاں رہی اور تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء میں قوم کی رہنمائی فرمائی۔ آخر کار ستمبر ۱۹۷۴ء میں مرزائیوں کو مسلمانوں کے متفقہ مطالبے کے مطابق آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ اس سلسلہ میں آپ کئی بار جیل بھی گئے اور قید و بند کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ تحریکِ ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے موقع پر بعض غیر ذمہ دار افراد کے بیانات کے جواب میں آپ نے ''بیان صادق'' نامی کتابچہ تحریر فرمایا۔ اس سے منیر انکوائری کمیشن کو تحریکِ ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے صحیح حالات، اسباب اور واقعات سے آگاہ کیا اور جماعت احرار کی پالیسی کو واضح کر کے منیر کمیشن کے سامنے حقیقی صورت حال بیان کی۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک کے دوران جب آپ مارشل لاء کے تحت گرفتار ہو کر جیل چلے گئے تو پنجاب حکومت نے مجلس احرار اسلام کے مرکزی دفتر کو سر بمہر کر دیا لیکن آپ کی عدم موجودگی میں آپ کی باہمت اہلیہ نے کوشش کر کے عدالتِ عالیہ کے ذریعے اسے واگذار کرایا۔ آپ صفائی کے نہایت دلدادہ تھے۔ اکثر خود اپنے ہاتھ سے دفتر احرار کی صفائی کرتے۔ تقریر اور تحریر آپ کا مشغلہ رہا۔ مختلف جرائد کے مدیر رہے اور ان میں جماعت کی پالیسی کو ہمیشہ مدنظر رکھا۔ آپ چوٹی کے مقرر تھے۔ سامعین کو اپنے منطقی طرز اور سادہ انداز سے متاثر کرنا آپ کی خصوصی خوبی تھی۔ آپ کے اس اندازِ خطابت سے کئی دیگر سیاسی اور مذہبی رہنما بھی قائل اور متاثر تھے جن میں خصوصاً مولانا کوثر نیازی مرحوم آپ کی طرز خطابت کو خوب سراہتے تھے۔ یکم مئی ۱۹۷۰ء کو دفتر احرار میں انتقال ہوا۔ آپ کی اولاد میں دو بیٹے صلاح الدین اور نظیر اکبر انصاری تھے۔

آپ کی سیاسی، ملّی اور سماجی خدمات مجلس احرار اسلام کی تاریخ میں بے شک ایک درخشاں باب ہے جو کہ نئی نسل کے لیے بلاشبہ مشعلِ راہ سے کم نہیں۔ جب بھی آپ کی شخصیت اور کردار کی یاد آتی ہے تو بے اختیار کہنا پڑتا ہے۔ ؎

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ڈھونڈا تھا آسماں نے جنھیں خاک چھان کر

پروفیسر خالد شبیر احمد　　(دوسری قسط)

احرار اور فن خطابت

☆ مولانا غلام غوث ہزارویؒ......شاہیں کی پرواز:

زبان پٹھانوں کی طرح سادہ، خیالات چٹانوں کی طرح مضبوط، اسلوب میں جُوڑے کی سی گندھاوٹ اور دلائل میں تصنع نہ بناوٹ۔ چونکہ معاملہ فہم اور نکتہ داں ہیں اس لیے ہر بات ترازو میں تلتی ہوئی ہے۔ پشتو زبان میں بخاری کے ہم مرتبہ خطیب ہیں اور اردو کے سربرآوردہ مقرر۔ خواصِ عمق میں ڈوب کر موتی نکال لاتے ہیں۔ معاملات کی تہہ میں پہنچ کر مطالب پیدا کرتے ہیں۔ طبیعت کا سانچہ دینی رنگ وروغن سے تیار ہوا ہے۔ اس لیے سیاست کو بھی اسی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور جب بولتے ہیں تو یہی رنگ غالب آتا ہے۔ معترض پر اس ادا سے چٹکی لیتے ہیں کہ وہ حیران وششدر رہ جاتا ہے۔ گو آپ کے رنگ گفتار میں کسی طرح کی ترشی ہوتی ہے۔ مگر اس قدر جس قدر کہ ایک غزال کی نگاہیں خشمگیں ہوسکتی ہیں یا ایک چاند سے چہرے پر سجدۂ سہو کا تلخ بوجھ۔ دردؔ نے بہت پہلے کہا تھا۔ لیکن آپ کے لیے ہی کہا تھا:

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں نہ ایسی سنیے گا
پڑھتے کسی کو سنیے گا تو دیر تلک سر دھنیے گا

☆ محمد علی جالندھری......کھیتوں کی ہریاول:

پارچات میں پیوند لگانا سنتِ نبوی ہے لیکن آپ بولتے ہیں تو اردو میں پنجابی کا پیوند ضرور لگاتے ہیں۔ خطابت میں گیہوں کے کھیت کی سی سادگی ہوتی ہے اور دلائل میں اتنی پختگی جتنی ایک منطقی میں ہوسکتی ہے۔

جو بات بھی کہتے ہیں پتہ کی کہتے ہیں۔ سٹیج پر آئیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک بے نام دیہاتی اچانک نمودار ہوا ہے۔ لیکن بولتے ہیں تو سامعین کی پلکوں پر آنسو جھلک آتے ہیں اور آہستہ آہستہ زبان آہ اور واہ کے لیے مضطرب ہوجاتی ہے۔ آپ کی تقریر سکون سے شروع ہوتی ہے، سکون سے چلتی ہے اور سکون پر ختم ہوجاتی ہے۔ آپ عام شیوۂ خطابت کی طرح بھٹکتے نہیں بلکہ آہِ سحر گاہی کی طرح اپنا کام کر جاتے ہیں۔ حکیم مشرق نے اپنے لیے کہا تھا لیکن آپ بھی اپنے طور پر کہہ سکتے ہیں:

عروسِ لالہ مناسب نہیں ہے مجھ سے حجاب
کہ میں نسیم سحر کے سوا کچھ اور نہیں

☆ صاحبزادہ فیض الحسن......خانقاہ کی شام:

انشاء پردازی میں محمد حسین آزاد کے فقروں کی بناوٹ اور خطابت میں فیض الحسن کا پیرائیہ بیان قریب قریب مماثلت رکھتا ہے۔ الفاظ اجلے اور معانی شستہ ہوتے ہیں۔ اقبال کے شعروں سے اپنے مطالب کی نقش آرائی کرتے ہیں۔ خانقاہوں میں مجبور سہی لیکن آپ کے الفاظ مجبور نہیں۔ نیزے کی انی کا گھاؤ اور آپ کے الفاظ کا وار ایک سا ہے۔ اہل درد کہہ سکتے ہیں کہ

صاحبزادہ صاحب کی خطابت پچھلے پہر کے آنسوؤں کی راگنی کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ مگر دونوں کا فرق ظاہر ہے۔ایک طرف آنسوؤں میں پلکوں کے فانوس اور دوسری طرف الفاظ میں ہونٹوں کی آب، صاحبزادہ صاحب اپنے طور پر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں:

میرے الفاظ پلٹ دیتے ہیں کایا دل کی
ان میں جب صرف میرا زورِ بیاں ہوتا ہے

اکابرِ احرار عدالت کے کٹہرے میں:

☆امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری:

''آپ میری زبان قطع کر سکتے ہیں لیکن مجھ سے یہ حق نہیں چھین سکتے کہ میں ہندوستانیوں کو انقلاب کی دعوت دوں اور انھیں اس پر ابھاروں کہ وہ اپنی آزادی کا مطالبہ کریں۔'' (ڈھاکہ۔۱۹۳۱ء)

☆مفکرِ احرار چودھری افضل حق:

''میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ میں نے تو اس غلطی کے خلاف احتجاج کیا ہے جو ہندوستان نے غلامی کی صورت میں اختیار کی ہوئی ہے۔'' (ہوشیار پور۔۱۹۲۱ء)

☆مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی:

''میرا عقیدہ ہے کہ سطح ارضی کے اجلے دامن پر برطانوی حاکمیت معصیت کا ایک سیاہ داغ ہے اور اس داغ کا دھونا اگر جرم ہے تو میں اقرار جرم کرتا ہوں۔ کہیے آپ کے قانون کی کیا منشا ہے۔'' (لدھیانہ۔۱۹۳۰ء)

☆شورش کاشمیریؒ:

''مجھے اعتراف ہے کہ میرے الفاظ کی شدت سے قانون کے ماتھے پر برہمی پیدا ہوگئی ہے۔لیکن میں کیا کروں خود میرا دماغ اپنے ملک کی غلامی کے تصور سے زخمی ہے اور مجھے اس سے گھن آتی ہے کہ میری قوم نے زنجیروں کو ہی زندگی کا سہارا بنالیا ہے۔ مجھے خوشی ہوگی اگر یہ عدالت جو ہندوستانی کہلاتی ہے' کرسی چھوڑ کر ملزموں کے کٹہرے میں آجائے اور سوچے تو یہ اس کے لیے تاریخ کی منصفانہ پکار ہے۔'' (ملتان۔۱۹۳۹ء)

(ماخوذ ''ترجمان احرار''، روزنامہ ''آزاد'' لاہور۔۲۶رجنوری ۱۹۴۷ء)

نعرۂ لاتخف

جو انساں مشرف نہیں اِس شرف سے
جو وابستہ ہے نعرۂ لاتخف سے
رہے گا اگر دل میں خوفِ الٰہی
تو بے خوف ہو جائے گا ہر طرف سے

(میجر (ر) محمد سعید اختر' ملتان)

پروفیسر نعیم مسعود (لاہور)

مجلس احرارِ اسلام کی بزم آرائی

مجلس احرار اسلام کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ یہ بیدار مغز افراد کا وہ مجموعہ ہے جن کے قلب و ذہن میں نظریہ اسلام، نظریہ پاکستان اور عصر حاضر میں چیلنجز کے نقشے اور ضروریات بالکل واضح ہیں۔ یہ صاف شفاف لوگ مسلکی پیچیدگیوں سے ہٹ کر خالصتاً محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دم بھرتے ہیں۔ توحید اور ختم نبوت کے اعتبار سے مجلس احرار اسلام کے لوگ ہمارے ایمان کو تازگیاں بخشنے اور قوت سے ہمکنار کرنے کے لیے گاہے بگاہے محفلیں سجاتے رہتے ہیں۔

ہماری ذاتی رائے کے مطابق مجلس احرار اسلام کے لوگ جب کسی کانفرنس یا اجتماع کا اہتمام کرتے ہیں تو اس میں سادگی اور پروقار عناصر کے علاوہ تربیت کا عنصر زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان کے کنونشن طالب علموں سے لے کر علمائے کرام تک تربیتی نشست کی فلاسفی اور منظر بن جایا کرتے ہیں۔ بندہ ان کی تقریبات سے کوئی آلودگی لے کر نہیں اٹھتا۔ بلکہ اپنے دامن میں پاکیزگیاں بھر کر اٹھتا ہے۔ ایسے جیسے کسی غنی کے پاس سے اٹھے تو جھولیاں بھر کے اٹھتا ہے۔ کسی عالم کے پاس سے اٹھے تو علم کا نور لے کر اٹھتا ہے۔ بالکل اسی طرح مجلس احرار اسلام کے اجتماع سے چشم بینا لے کر الوداع ہوتا ہے۔

ہم یہ اکثر کہتے ہیں کہ چودھری، وڈیرے، سیاست دان وغیرہ مر جائیں تو شر چھوڑ کر جاتے ہیں۔ وہ شر وزیری ابن وزیری، جائیداد کے جھگڑے، بدمعاشی کی بقاء یا ظلم وستم کا جاری رہنا ہوتا ہے۔ لیکن جب کوئی صاحب کردار شخص اس جہانِ فانی سے جاتا ہے، وہ غریب ہو یا امیر وہ پیچھے ایک عام اور ایک قابل تعریف اور قابل تقلید اعزاز اور کام چھوڑ کر جاتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ جب کوئی تحریکی پیچھے عمدہ تحریک چھوڑ کر جائے تو وہ آنے والی نسلوں کے لیے خیر ہی خیر کے دریچے کھول کر جاتا ہے۔

تحریک تحفظ ختم نبوت کے حوالے سے مجلس احرار اسلام کا نام آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تحریک اور خاندان اپنی جگہ ایک خصوصی مقام رکھتے ہیں۔ موجودہ زمینی حقائق اور تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ ایسے خوش بخت کم ہی ہیں جن کو آئندہ نسل (اپنی نسل) ایسی ملی کہ اس نے کسی مثبت تحریک کا علم بلند رکھا۔ ایسا تو کئی بار ہوا کہ مخلص کارکنان میسر آ گئے۔ ہاں ایسا بھی بارہا ہوا کہ کعبے کو بت خانوں سے پاسبان مل گئے...... بہرحال عطاء اللہ شاہ بخاری وہ خوش بخت داعی ہیں جنھیں قابل ستائش کارکنان بھی ملے اور قابل ستائش بھائی، بیٹے، پوتے اور نواسے بھی ملے۔ ایسے شاندار اور جاندار بھائی، بھتیجے، بیٹے، پوتے اور نواسے کہ جنھوں نے خانقاہوں میں چراغاں کر کے مال و زر لوٹنے کی کوشش نہیں کی۔ انھوں نے توحید و سنت پر عمل پیرا ہونے کی صدائیں بلند کیں۔ شور شرابوں اور ڈھول باجوں کے بجائے کارکنان بخاری اور اولاد بخاری نے اذانیں دینے کا بیڑا اٹھایا اور وہ اذانیں کہ جن میں آواز بلالی اور روح غزالی کی بازگشت موجود ہے۔

بات چل رہی تھی اس بزم کی جس کا اہتمام مجلس احرار کے کارکنان، قائدین اور مجاہدین نے مرکزی دفتر نیو مسلم ٹاؤن لاہور میں کیا۔ ۸/ مارچ کی شب کو ۱۹۵۳ء کے شہدائے ختم نبوت کے نام کیا گیا۔ وہ شہداء جو تحریک بن کر شریانوں میں دوڑتے ہیں اور دل کی دھڑکن میں دھڑکتے ہیں۔ جو زندگی کا احساس بھی ہیں اور اساس بھی، زندہ بھی ہیں اور جوان بھی۔ اساس اور احساس کے تناظر میں اکثر جو بات ذہن میں آتی ہے وہ یہ کہ مجلس احرار اسلام سے لے کر جماعت اسلامی تک

، جمعیت علماء اسلام سے لے کر جمعیت اہلحدیث تک ، جمعیت علمائے پاکستان سے لے کر تبلیغی جماعت تک ، شانِ صحابہؓ کی بات کرنے والوں سے لے کر جماعت الدعوۃ تک لوگ خیر ہی خیر ہیں اور ہر دم اپنے اپنے انداز میں خیر کے درواکرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ بلاشبہ ان کے مثبت کاموں سے باطل کے ایوانوں میں زلزلے آتے ہیں اور باطل کے لیے خیر کا دم بھرنے والوں کی چھاتی پر بھی مونگ دلی جاتی ہے۔ بہر حال یہ اساس اور احساس میں' قوت ایمانی اور اسلامی موجوں کی روانی کا باعث ہیں۔

قارئین کرام! سیاسی اختلافات اور مسلکی نزاکتیں اپنی جگہ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ مصدقہ ہے کہ عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اور مولانا ابوالحسنات کے تحریک تحفظ ختم نبوت...... والے معرکوں کو' کوئی بریلوی، وہابی، دیوبندی مسلم لیگی، پیپلیا یا لغاری، مزاری، چودھری اور ٹوانہ فراموش نہیں کرسکتا۔ یہ وہ نام ہیں جنھوں نے یہودیوں اور عیسائیوں کی مشترکہ پیشکش کے آگے بند باندھے۔ انھوں نے ''یورپی یونین'' عیسائیت، یہودیت اور ہندو ایجنسیوں کے نشتری یعنی مرزائیت کو اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کی سازش کو ایسے نکال پھینکا جیسے مکھن سے بال نکالتے ہیں۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ قادیانی کل بھی پاکستان میں وہ مقام چاہتے تھے جو امریکہ میں یہودیوں کو حاصل ہے اور یہ مرزائی آج حکمرانوں اور چند شیطانوں کی مدد سے وہی خواب دیکھ رہے ہیں۔ لیکن جب تک اسلام کے سپاہی احرار کارکن، مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تحریکی دھڑکنیں، جہادی سپہ سالار اور بیدار مغز روشن ضمیر زندہ ہیں تب تک مرزائیوں کے خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکیں گے۔

بات چل رہی تھی ان کی جو پتھروں کو ریشم نہیں پہناتے اور رنگین غلاف چڑھانے میں وقت ضائع نہیں کرتے۔ جی ہاں! تذکرہ ان کا جو جا کر مزاروں کا طواف نہیں کرتے ...... جو داعی ہیں' رہزن اور لٹیرے نہیں، جو مربی ہیں، فقط مربی جن کی جبین سجدہ ہائے غیر سے واقف نہیں۔ یاد رکھئے گا جو لوگ خاک کے تو دوں پر سجدوں کے لیے نہیں گرتے، وہ کسی منصب و جاہ وحشم کی آرزو نہیں رکھتے، وہ صرف اور صرف خالق کونین کے صالحین اور مصلحین ہوا کرتے ہیں۔ پھر ایسے لوگوں کے اخلاص اور احساس کے سبب پتھر دلوں پر بھی اثر ہونے لگتا ہے۔ وطن سے بھاگنے والوں کو بھی سمجھ آجاتی ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو جیسے لوگ جو اپنے زمانے کے ''روشن خیال'' تھے۔ انھیں بھی علمائے حق اور علمائے حق کے نقش قدم پر چلنے والوں کی سمجھ آجاتی ہے۔ کتنے مکرم اور محترم ہیں۔ تحریکوں کو برپا کرنے والے اور بھٹو جیسے لوگوں سے اسلام کے بڑے بڑے رکے ہوئے کام نکلوانا جہاں جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ وہاں خیر و برکت کی منھ بولتی تصویر اور داستان بھی ہے۔ غیر جانبداری سے دیکھا جائے تو اس کا کریڈٹ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، ابوالوفاء مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ جیسے لوگوں اور ان کے کارکنان کو جاتا ہے۔

۸/ مارچ ۲۰۰۷ء کی شب اس ماہتابی تقریب میں جو مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام تھی۔ عبداللطیف خالد چیمہ نے حاضرین مجلس کو ایک تحریر پڑھ کر سنائی۔ ہماری خواہش ہے کہ یہ تحریر اپنے قارئین سے بھی شیئر کی جائے۔

> ''احمد یہ مسئلہ...... یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس پر بھٹو صاحب نے کئی بار کچھ نہ کچھ کہا۔ ایک دفعہ کہنے لگے: رفیع! یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہم ان کو پاکستان میں وہ مرتبہ دیں جو یہودیوں کو امریکہ میں حاصل ہے یعنی ہماری ہر پالیسی ان کی مرضی کے مطابق چلے۔
>
> ایک بار انھوں نے کہا کہ قومی اسمبلی نے انھیں غیر مسلم قرار دیا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ ایک دن

اچانک مجھ سے پوچھا کہ کرنل رفیع الدین! کیا احمدی آج کل یہ کہہ رہے ہیں کہ میری موجودہ مصیبتیں ان کے خلیفہ کی بددعا کا نتیجہ ہیں کہ کال کوٹھڑی میں پڑا ہوں؟ ایک مرتبہ کہنے لگے بھئی ان کے اعتقاد کو دیکھا جائے تو وہ صرف حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو آخری نبی ہی نہیں مانتے اور اگر مجھے اپنے آپ کو غیر مسلم قرار دینے کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں تو کوئی بات نہیں۔ پھر کہنے لگے میں تو بڑا گناہگار ہوں اور کیا معلوم کہ میرا یہ عمل ہی میرے گناہوں کی تلافی کر جائے اور اللہ تعالیٰ میرے تمام گناہ اس ایک عمل کی بدولت مجھے معاف کر دے۔ بھٹو صاحب کی باتوں سے میں اندازہ لگایا کرتا تھا کہ شاید انھیں گناہ وغیرہ کا کوئی خاص احساس نہ تھا لیکن اس دن مجھے محسوس ہوا کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔'' ('' بھٹو کے آخری ۳۲۳ دن'' از کرنل رفیع الدین)

سیاسی معاملات اپنی جگہ پر لیکن بھٹو، مرزائیوں کو جو اقلیت قرار دینے والا کارنامہ سرانجام دے گئے اسے نظرانداز کرنا ممکن نہیں۔ لیکن یہ بھی ممکن نہیں کہ ہم علماء کرام کو فراموش کر دیں، جنھوں نے مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کی تحریکوں کو سینے پر گولیاں کھا کر اور لہو کی ندیاں بہا کر زندہ اور جاری رکھا۔ شہداء کو کون بھول سکتا ہے۔

مرزائیت ایک بہت بڑا فتنہ تھا اور ہے۔ یہ اسلام میں ''رہ کر'' اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے تھے۔ ایک تو یہ سچ ہے کہ اللہ نے اسلام کے تحفظ کا خود ذمہ اٹھا رکھا ہے۔ بھلا کوئی ہندو، یہودی، عیسائی، بدھ مت، کیمونسٹ اور مرزائی کیا نقصان اور کہاں تک نقصان پہنچائیں گے۔ دوسرا سچ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخصوص بندوں کو اعلیٰ ظرف سے نواز رکھا ہے جو محمد عربی، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کی انتہا رکھتے ہیں۔ وہ ایسے فتنوں کا سدباب کرنے کے لیے ہر وقت تندرست و توانا اور تیار بیٹھے ہوئے ہیں۔

مصور پاکستان شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا تھا:

> ''ملت اسلامیہ کو اس مطالبے کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے۔ اگر حکومت نے مطالبہ تسلیم کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔ حکومت نے ۱۹۹۹ء میں سکھوں کی طرف سے (ہندوؤں سے) علیحدگی کا انتظار نہ کیا تھا۔ اب وہ قادیانیوں سے اپنے مطالبے کے لیے کیوں انتظار کر رہی ہے۔''

متذکرہ کانفرنس میں تمام علمائے دین اور مقررین کا مرکزی نکتہ یہی تھا کہ قادیانی فتنہ کو اقلیت قرار دینے کے بعد باطل قوتیں انھیں اسلام کے خلاف برابر استعمال کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ حتیٰ کہ موجودہ حکومت انھیں تحفظ فراہم کرتی پھر رہی ہے۔ حکمران لیگ کے جنرل سیکرٹری مشاہد حسین ''سید'' تک نے اپنے بیرون ملک دوروں میں اظہار کیا ہے کہ شورشرابے اور احتجاج کا خدشہ نہ ہو تو ہم تو قادیانیوں کے حوالے سے آئینی تبدیلی لانے کو تیار ہیں...... (استغفر اللہ) نہ جانے یہ حکومت کیوں غیروں کے اشارے پر حقوقِ نسواں سے لے کر قادیانی فتنے جیسے معاملات کو اپنی روشن خیالی کی ضرب سے حق کی بجائے شر کی شاہراہ پر گامزن کرنا چاہتی ہے۔ بہرحال یہ ممکن نہیں۔ ۱۴ صدیوں سے کفار اپنی ناپاک سازشوں سے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے سازشیں کر رہے ہیں۔ ہمارے آج کے حکمران ذہن نشین رکھیں کہ......

> ''اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ حالاں کہ اس پر کوئی وحی نہ آتی ہو۔'' (الانعام: ۹۳)

بات چل رہی تھی کہ مرزائی وہ مقام چاہتے ہیں جو مغرب میں یہودیوں کو حاصل ہے اور یہ مرزائی' امریکہ شریکہ اور برطانیہ شرطانیہ کو اچھے بھی اس لیے لگتے ہیں کہ ایک طرف یہ ''اسلام میں'' اسلام مخالف فتنہ ان کے لگائے ہوئے بیج سے نمو پایا اور دوسری بات یہ ہے کہ مرزائیت جہاد کی ضد کا نام۔ مرزائیت کفر تو ہے ہی۔ لیکن مغرب یہ چاہتا ہے کہ مرزائی دائرہ اسلام ہی میں رہ کر اسلام مخالف ذمہ داریوں کو نبھائیں...... لیکن دائرہ اسلام میں عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور توحید وسنت کی فلاسفی سے آبیار طبقہ اس کفر اور مرتد طبقے کو پنپنے دے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ زمانہ گواہ ہے کہ روشن ضمیر اور غیرت مند مسلمانوں کے ہاں ژرف نگاہی اور تعمق کی فراوانی ہوا کرتی ہے۔

جن کے ذہن میں یہ حدیث مبارکہ ہو کہ ''قریب ہے کہ میری امت میں تیس جھوٹے نبی پیدا ہوں گے، ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں۔ حالاں کہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔'' (ترمذی/ابوداؤد) آپ خود ہی فیصلہ کریں وہ کسی مرزا قادیانی کی آلودگی کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ تحریک تحفظ ختم نبوت کے اثرات اور شکل میں آج بھی سرگرم اور جذبوں میں بیدار امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے کراچی میں ستمبر ۱۹۵۱ء کے ایک خطاب کی یاد تازہ کر لیں:

''تصویر کا ایک رخ تو یہ ہے کہ مرزا قادیانی میں یہ کمزوریاں اور عیوب تھے۔ اس کے نقوش میں توازن نہ تھا، قدوقامت میں تناسب نہ تھا، اخلاق کا جنازہ تھا، کریکٹر کی موت تھی، سچ کبھی نہ بولتا تھا، معاملات کا درست نہ تھا، بات کا پکا نہ تھا، بزدل اور ٹوڈی تھا، تقریر وتحریر ایسی ہے کہ پڑھ کر متلی ہونے لگتی ہے۔

لیکن میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ اگر اس میں کوئی کمزوری نہ بھی ہوتی، وہ مجسمہ حسن وجمال ہوتا قویٰ میں تناسب ہوتا، چھاتی ۴۵ انچ کی، کمر ایسی کہ سی آئی ڈی کو بھی پتا نہ چلتا، بہادر ہوتا، مردِ میدان ہوتا، شاعر ہوتا، فردوسیٔ وقت ہوتا، ابوالفضل اس کا پانی بھرتا، خیام اس کی چاکری کرتا، غالب اس کا وظیفہ خوار ہوتا، انگریزی کا شیکسپیئر ہوتا اور اردو کا ابوالکلام ہوتا پھر نبوت کا دعویٰ کرتا تو کیا ہم اسے نبی مان لیتے؟

میں تو کہتا ہوں کہ اگر علی (رضی اللہ عنہ) دعویٰ کرتے کہ جسے تلوار حق نے دی اور بیٹی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دی، سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمان غنی بھی دعویٰ کرتے تو کیا بخاری انھیں نبی مان لیتا؟ نہیں ہرگز نہیں۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کائنات میں کوئی انسان ایسا نہیں جو تختِ نبوت پر سج سکے اور تاج امامت ورسالت جس کے سر پر ناز کرے۔''

بخاریؒ کے ان لفظوں کو دیکھ کر علیم ناصری یاد آ گئے کہ:

آج بھی ان سرفروشوں سے جہاں آگاہ ہے
نقش پا ان کا زمانے کو چراغِ راہ ہے

تذکرہ چل رہا ہے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے سکول آف تھاٹ کا۔ جس کے علم کو سید عطاء المحسن بخاری نے بھی آخری سانسوں تک بلند رکھا۔ جن کا علم اب سید عطاء المہیمن بخاری کے ہاتھوں میں سربلند ہے۔ کفیل بخاری کے پاس جس کی پاسبانی، اساس اور احساس کی کہانی ہے۔ ہمارے محترم دوست عبداللطیف خالد چیمہ سایہ دار شجر کے لیے ''بھر بھر مشکاں پانی

لاوے'' والے کارکنیت میں مگن ہیں۔اخلاص کے یہ پیکر دیکھ کر دل میں خیال آتا ہے کہ......

آئین جواں مرداں ، حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

قارئین! معذرت کے ساتھ' ہم نیت لیے بیٹھے تھے کہ ۸؍مارچ والی شب بیداری کی بات کریں گے جو شبستانِ بخاری میں ہوئی۔لیکن محسوس ہو رہا ہے کہ اس پروقار تقریب کے مقررین کے حسن اور اثرات کی بات اس تحریر میں پھر نہیں سمو پائیں گے۔لیکن کم از کم اتنا بتاتے چلیں کہ ۱۹۵۳ء کے شہدائے تحفظ ختم نبوت کی یاد میں منعقد اس مجلس میں وہ سبھی کردار اور اقرار موجود تھے جن میں توحید کی پرچم کشائی بحر بیکراں کی طرح پائی جاتی ہے۔بلاشبہ سٹیج پر جلوہ افروز وہ لوگ حق پرست وحق شناس وحق بیان وحق نما کا گلدستہ تھے۔سید عطاء المہیمن بخاری کی زیر صدارت اس کانفرنس میں شیخ الحدیث مفتی حمیداللہ جان (جامعہ اشرفیہ)، مولانا امیر حمزہ (جماعت الدعوۃ)، حافظ محمد ادریس (نائب امیر جماعت اسلامی)، مولانا محمد امجد خان، مولانا سیف الدین سیف (جمعیت علماء اسلام)، مولانا شمس الرحمٰن معاویہ، فیصل آباد سے مولانا مجاہد الحسینی، سید محمد کفیل بخاری، عبداللطیف چیمہ سمیت متعدد علمائے کرام واساتذہ کرام تشریف فرما تھے۔اس تقریب میں شرکت ہی کم اعزاز نہ تھا۔ تاہم خاکسار اور گناہگار کو چند گزارشات کا بھی موقع ملا۔جہاں اتنے بڑے بڑے بت شکن، باطل شکن، خوش عقیدہ لوگ ہوں وہاں ہماری کوئی حیثیت تو نہیں ہوتی مگر حیثیت اس وقت بن ضرور جاتی ہے کہ جب ان لوگوں کی تحریکوں اور گفتگوؤں سے ایمان میں جوش اور قوت آجاتی ہے۔

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

ماہانہ مجلس ذکر واصلاحی بیان

ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

8 اپریل 2007ء
اتوار بعد نماز مغرب

دفتر احرار 69/C
وحدت روڈ نیو مسلم ٹاؤن لاہور

نوٹ: ہر انگریزی ماہ کی پہلی اتوار کو بعد نمازِ مغرب مجلس ذکر واصلاحی بیان ہوتا ہے

تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبہ تبلیغ) مجلس احرار اسلام لاہور فون: 042-5865465

شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

خالد مسعود خان
منفرد لب و لہجے کا شاعر

پروفیسر ذوالکفل بخاری کی رہائش گاہ پر‘ ملتان کے ادبی فورم ’’فاران اکیڈمی‘‘ کے ایک اجلاس کے بعد‘ جس میں ڈاکٹر اسلم انصاری، تاثیر وجدان، مستحسن خیال، حامد سراج، مختار پارس، خالد مسعود خان، حفیظ الرحمٰن خان، ذوالکفل بخاری اور وحید الرحمٰن خان شامل تھے۔ متفقہ فیصلہ ہوا کہ جناب اسلم انصاری کے فرزند نے ایم اے انگلش میں پوزیشن حاصل کی ہے۔ لہٰذا آج چوک نواں شہر جا کر بابا آئس کریم سے لطف اندوز ہوا جائے۔ راقم‘ خالد مسعود کی گاڑی میں سوار تھا۔ راستے میں حامد سراج نے خالد مسعود سے پوچھا کہ آپ کو اس مزاحیہ شاعری کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے یا قدرت کی طرف سے شعر ڈھلے ڈھلائے ذہن کی تختی پر اسی طرح اترتے ہیں؟ خالد مسعود نے کہا:

’’حامد صاحب! خوشیاں لبنیاں پیندیاں نے، دکھ آپے ای آجاندے نے۔‘‘

تم بحرِ محبت کیا جانو، اچھا یہ تو بتاؤ تم نے کبھی
ہنستی آنکھوں کے پیچھے اشکوں کا سمندر دیکھا ہے

مجھے جہاں تک یاد پڑتا ہے۔ خالد مسعود سے میری پہلی ملاقات‘ ذوالکفل بخاری کے گھر ہی ہوئی تھی۔ بات سے بات نکالنے والا ایک عبقری دماغ کہ جسے منفرد مزاحیہ شاعری کے ساتھ ساتھ ایک کاٹ دار انشاء پردازی پر بھی عبور حاصل ہے۔ اپنے کالم کے لیے خالد مسعود پہلے تانا بانا بُنتا ہے، اُسے دل و دماغ کے ترازو میں تولتا ہے اور پھر احباب کی محفل میں اُس کالم کی جزئیات تک بیان کرتا چلا جاتا ہے اور حیران کن بات یہ ہے کہ اُس ’’ظالم‘‘ کو اپنے کالم کا ایک ایک لفظ ازبر ہوتا ہے۔

خالد مسعود ۳۰ رنومبر ۱۹۵۹ء کو ملتان کے ایک متوسط راجپوت گھرانے میں پیدا ہوئے۔ شاعری وراثت میں ملی۔ ماہر اقبالیات جناب عبدالمجید خاں ساجد کے بیٹے اور پنجابی کے مشہور شاعر جناب محمد ابراہیم خاں عشق حق کے پوتے ہیں۔ خالد مسعود نے اردو، پنجابی کے امتزاج سے‘ مزاحیہ شاعری کی ایک نئی طرح ڈالی ہے اور وطن اور وطن سے باہر بھی کئی مشاعرے پڑھ چکے ہیں۔ انھیں شاعری کا شوق طالب علمی کے زمانے سے ہی تھا۔ ملتان کی ادبی سرگرمیوں، مشاعروں اور علمی محفلوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ خالد مسعود ایم بی اے (گولڈ میڈلسٹ) ہیں۔ ایک کاروباری ادارے کے منیجر رہے۔ بعض معاملات میں ادارے کی طرف سے عدالتوں میں جانا پڑتا۔ ضرورت کے تحت ایل ایل بی بھی کیا مگر اس طرح کہ رات پرچے کی تیاری کرتے اور صبح امتحان دیتے۔ تعلیم کے دوران جمعیت میں ہونے کے ناتے ایک دفعہ گھر سے پولیس

پکڑ کر لے گئی۔ والد ساجد صاحب، پروفیسر جی ایم ملک (جو اُن دنوں گورنمنٹ کالج ملتان میں پرنسپل تھے) کے ساتھ تھانے پہنچے۔ پتا چلا کہ خالد کو چوری کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔ ساجد صاحب نے تھانیدار سے کہا ''اگر تم اس لیے پکڑ کرلائے ہو کہ یہ جمعیت میں ہے تو بے شک اسے پھانسی دے دو مگر یہ چوری کا الزام سراسر جھوٹ ہے، الزام ہے، تمہاری یہ بدبختی ہے کہ ساری عمر جھوٹ بولو اور ظلم کماتے رہو۔ خالد کے باقی ساتھی معافی نامہ داخل کر کے رہائی پاتے گئے مگر نہ خالد نے معافی مانگی نہ والد نے معذرت کی۔ آخر ملتان یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب نذیر رومانی آئے اور خالد کی ضمانت دے کر رہائی دلائی۔

خالد مسعود دل گردے کا آدمی ہے اور اس قدر حوصلہ مند کہ ملتان یونیورسٹی میں ایک لڑکے (بٹ) نے اُسے چاقو مار کر زخمی کر دیا۔ بعد میں وہ لڑکا گھر چل کر آیا اور معافی مانگ لی۔ خالد مسعود نے اسے معاف کر دیا کہ:

نظر نظر میں ہے کامرانی، قدم قدم پر ہے کامیابی
مگر کوئی مسکرا کے دیکھے تو ہار جانا بھی جانتے ہیں

خالد مسعود ایک فقیر منش آدمی ہے۔ انکساری، وقار، تمکنت اس کے خون میں شامل ہے۔ تاہم دشمنوں کا دشمن اور دوستوں کا دوست ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ دوست لچا لفنگا ہو یا شریف آدمی۔ دوست ہوتا ہے۔ ہمیں اس کی دوستی سے غرض ہے۔ جب کسی کو دوست بناؤ تو ایک چھوٹی سی قبر کھودو اور دوست کے سارے عیب اس میں دفن کر دو کہ بے عیب دوست ڈھونڈنے والا ہمیشہ بے دوست رہتا ہے۔

ابھی پچھلے دنوں ایک نجی ٹی وی پر انٹرویو میں خالد مسعود نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ شاعر ہمہ وقت شاعر نہیں ہوتا اور شوہر ہر وقت شوہر نہیں ہوتا۔ بحیثیت انسان' میں گھر میں اپنے بچوں میں خوش ہوتا ہوں۔ میں اُن سے ننھے دوستوں کی طرح سلوک کرتا ہوں۔ انسان کو زندگی سے لطف اندوز ہونا چاہیے اور ایک متوازن زندگی گزارنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

خالد مسعود کی گھریلو زندگی کے بارے میں جب اُن کے گھر سے رابطہ کیا گیا تو انھوں نے بتایا کہ خالد مسعود بہت ہی خلیق اور شفیق انسان ہیں۔ جی جان سے بچوں کو پیار دینے والے۔ تحمل سے بات سننے والے اور مشکل سے مشکل حالات میں بھی ہمت نہ ہارنے والے انسان۔

خالد مسعود ایک مصروف آدمی ہے۔ شعر کہنے کے لیے فرصت کم ملتی ہے۔ اُس کی اکثر شاعری سفر کی پیداوار ہے مشاعرے میں جا رہا ہے، اپنی گاڑی یا جہاز میں رواں دواں فکر و فن کے موتیوں سے اپنے کلام کی مالا پروتا چلا جاتا ہے۔ وہ طنز و مزاح سے بھرپور لب و لہجے کا شاعر ہے۔ اسے اردو زبان کو پنجابی کا تڑکا لگا کر شعروں میں ڈھالنے کا فن آتا ہے۔ اس حوالے سے وہ ایک منفرد شاعر ہے جس نے اندرون و بیرون ملک اپنا لوہا منوایا ہے۔ خود نہ ہنسنا اور دوسروں کو ہنساتے چلے جانا اس کا شغل ہے۔

ایک بے باک صحافی، ایک نڈر اور بے خوف شخصیت کا نام خالد مسعود ہے جو بھارت کے ساتھ کارگل کی جنگ کے دوران، اگلے مورچوں میں پڑا رہا اور مسلسل پانچ کالم اس موضوع پر تحریر کیے۔ اُس کے خاراشگاف قلم میں مصلحت نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ وہ موت سے نہیں ڈرتا۔ اُس کا ’ادبی جیب کترے، امراء کے دروازوں کی مٹی چاٹنے والے اور سیاسی نرخ پر قلم کی آبرو بیچنے والے ان نام نہاد قلم کاروں سے کوئی تعلق نہیں۔ جو رہزن کو رہبر اور صیاد کو باغباں لکھتے اور اِسی کا راتب کھاتے ہیں۔ روز وشب، خنجرِ قاتل کی ستائش لکھنا جن کا پیشہ ہے۔ جن کے بارے میں شورش کاشمیری نے کہا تھا:

انقلابِ گردشِ دوراں خدا حافظ تیرا
حلقۂ اہلِ سخن میں آ گئے بھڑ بھونجے

خالد مسعود نے روزنامہ ’’خبریں‘‘، ’’اوصاف‘‘، ’’ایکسپریس‘‘ میں ’’ماٹھا کالم‘‘ کے عنوان سے بہت کچھ لکھا۔ آج کل روزنامہ ’’جنگ‘‘ میں ’’کہرا‘‘ لگائے بیٹھا ہے۔ اُس کی کتاب ’’ابا کہاں سے لبھا؟‘‘ کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ جسے فن پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا ہے۔ ۱۴۴ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں اٹھائیس شعراء کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ جس میں خالد مسعود کی ۱۴ غزلیں اور قطعات شامل ہیں۔ جب فون پر اُن سے سوال کیا گیا کہ آپ اپنے کلام پر مشتمل علیحدہ کتاب کب شائع کر رہے ہیں؟ تو ان کا کہنا تھا کہ لوگ مجھے ٹی وی پر سن لیتے ہیں۔ یہی کافی ہے اور دوسرے یہ کہ میری بہت سی نظمیں گم ہو چکی ہیں۔ دوستوں سے درخواست کی ہے۔ مل گئیں یا یاد آ گئیں تو ’’بانگِ دہل‘‘ کتاب کی شکل میں حاضر کر دوں گا۔

خالد مسعود کے کلام کا کچھ انتخاب نذرِ قارئین ہے:

سحر دوپہرے سب سے چھپ کر امب پر چڑھیا کرتے تھے　　مُنہ سُج بھڑولا ہوتا تھا جب ڈیمبو لڑیا کرتے تھے
وہ پنڈ کے چھپڑ کنڈے ہم کو ملنے آیا کرتی تھی　　اور طیفا، گاما، فجا، منّھا مفت میں سڑیا کرتے تھے
وہ ہر اِک بات میں اَگے تھا، ہم ہر اِک کام میں پھاڈی تھے　　وہ سبق مُکا کر بہہ جاتا، ہم پنسل گھڑیا کرتے تھے
میری بے بے رشتہ لے کر اُس کے گھر جب پہنچی تھی　　وہ کالج جایا کرتی تھی، ہم درس میں پڑھیا کرتے تھے

☆☆☆

تمہارے پھُپھا وہ گنجے والے جو لے گئے تھے ادھار کنگھی　　مہینہ ہونے کو آ گیا ہے نہ اُس نے دِتی نہ ہم نے منگی
وہ واپڈا نے جو بلب موٹا لگا دیا ہے تمہارے دَر پر　　تو اُس کے چانن میں تجھ سے ملنے میں آ رہی ہے شدید تنگی
یہ المیہ ہے کہ اس کو ملنے میں جب کبھی لُک لُکا کے پہنچا　　تو اُس کی دادی دَمے کی ماری ہمیشہ ہی اوس وقت کھنگی
تُو اپنی ساری نصیحتوں کو سنبھال کر رکھ لے پاس اپنے　　تُو ماما لگتا ہے ایس گل کا وہ ہم کو بھیڑی لگے کہ چنگی

☆☆☆

چانس ملا تو چوری شوری کر چھڈی　　مُوڈ ہوا تو دھکو زوری کر چھڈی

اُس نے اپنی نظر کے تیکھے ورمے سے　　پتل ورگے دل میں موری کر چھڈی

☆☆☆

لُچ لفنگ ''الیکٹ'' ہوا ہے اَنہے واہ　　بیبا فیر ''ریجیکٹ'' ہوا ہے اَنہے واہ
سوئی میں دھاگہ ڈالنے والی نوکری پہ　　اَنّھا ایک ''سلیکٹ'' ہوا ہے اَنہے واہ

☆☆☆

اوکھا ہویا ہم سے اکڑا کیہہ کریے　　ایسے گل پر ہو گیا جھگڑا کیہہ کریے
جی کرتا ہے اوس رقیب کی گِدڑ کُٹ لگائیں　　لیکن ہے وہ ہم سے تگڑا کیہہ کریے

☆☆☆

جیسے لوفر ہو کوئی آوارہ گردی کے بغیر　　یا دسمبر لنگھ رہا ہو بھورا سردی کے بغیر
دیسی مرغی کا ہو انڈا جیسے زردی کے بغیر　　ویسا اپنا صدر ہو گا خاکی وردی کے بغیر

☆☆☆

ہیر کے اَگے ویکھ کے عاشقوں کا گھڑمَس　　رانجھا تخت ہزارے ٹُر گیا پھڑ کر پہلی بس
صاحباں ''میتھ'' کے پیپر سے گھبرا کر اَدھی راتیں　　مرزے کے موٹر سائیکل پر بہہ کر گئی تھی نَس
چنگا ہوا وِچ دریا کے ڈُب کر بچ گئی ورنہ　　عشق کی ناکامی سے تو مجنوں کی عزت رہ گئی
جی کرتا تھا ایسی غزل کے ۲۰، ۳۰ شعر سناتے　　قافیہ پڑ گیا تنگ ساڈا چلیا نئیں کوئی وَس

☆☆☆

راتیں ڈاکو پِنڈ میں ہونجا پھیر گئے　　پہرے والے ڈنڈے پھڑ کر سُتے رہ
اُس کے گنجے گھونے سر کی یاد میں ہم　　رَنگلے پلنگ کا پاوا پھڑ کر سُتے رہ
بیگم سے ڈَر کر بھاگے تو دو دن تک　　بے بے کے کمرے میں وَڑ کر سُتے رہ

تازہ ترین کلام

جج پھڑ کایا

ہر ڈاڈے نے ایس نمانڑی قوم کو دب کر رج کھڑ کایا
ارباں پتی وزیروں نے سرکاری خرچ پر حج کھڑ کایا
کافی دن سے لگتا تھا کہ کل پھڑ کایا، اَج پھڑ کایا
حاکم نے انصاف کے خوف سے پچھلے ہفتے جج پھڑ کایا

ساغر اقبالی

زبان میری ہے بات اُن کی

☆وزیراعظم جمالی کے بعداب چیف جسٹس کو غیر فعال کر دیا گیا۔(اپوزیشن)

چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے

☆پٹواریوں، عام لوگوں کو کالا کوٹ پہنا کر' حکومتی صوبائی کنونشن کے لیے لاہور بھیجا گیا۔(ایک خبر)

پڑھے لکھے پنجاب کے برگ و بار!

☆اسلام آباد: ایس ایچ او نے غیر فعال چیف جسٹس کو بالوں سے پکڑ کر گاڑی میں دھکیلنے کی کوشش کی۔(ایک خبر)

مقدمہ زیرِ سماعت ہے۔جسٹس بھگوان داس نے انصاف کی خوش خبری سنانے کا اعلان کیا ہے۔

☆چیف جسٹس کے پھٹے ہوئے کوٹ کی قیمت ستر لاکھ روپے لگا دی گئی۔(ایک خبر)

کل وی چنگے اَج وی چنگے　　وکیل وی چنگے ، جج وی چنگے

جیہڑا ایتھے ڈٹ سکدا اے　　اوہدا کوٹ وی پھٹ سکدا اے

☆لاہور میں پولیس جوتوں سمیت مسجد میں گھس گئی۔(ایک خبر)

مسجد خدا کا گھر ہے جوتوں کی جا نہیں

پر اُسے کیا کہیں جسے خوفِ خدا نہیں

☆استعفوں کی بارش۔کئی سرکاری وکیل اور جج عدلیہ کے وقار کے لیے مستعفی ہو گئے۔(ایک خبر)

میں بے بہاری بارش دے اونے دا مطلب تاڑ گیاں

اے توبہ میری توڑے گی ایس بارش دی نیت ٹھیک نئیں

☆کسی بھی مشکل اور آزمائش میں پاکستان کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔(رابرٹ گیٹس امریکی وزیر دفاع)

یہ فتنہ ہماری خانہ ویرانی کو کیا کم ہے

ہوئے تم دوست جس کے، دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

☆زکریا ایکسپریس کی بوگیاں پٹڑی سے اتر گئیں۔ایک خبر

یہاں تو ہر محکمے کی بوگیاں پٹڑی سے اتری ہوئی ہیں!

☆مشرف وردی اتار دیں۔ق لیگ ایک ہی دن میں ختم ہو جائے گی۔(ذوالفقار کھوسہ)

اسی لیے تو نہیں اتارتے

☆عراق میں امن قائم ہونے تک فوجیں وہیں رہیں گی۔امریکی ترجمان

ابر کی طرح کر دیویں گے لاشوں سے نہال

ہم جدھر جاویں گے حقوقِ انساں لے کر

حُسنِ انتقاد

تبصرہ کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

● کتاب: اقبال اور قادیانیت (تحقیق کے نئے زاویے)　　مؤلف: بشیر احمد ایم اے

ضخامت: ۲۸۳ صفحات　　قیمت: ۲۰۰ روپے　　ناشر: دارالتذکیر، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

''اقبال اور قادیانیت'' ایک اہم علمی موضوع ہے اور یہ برسوں سے زیر بحث ہے۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اقبال نے خود بھی ردّ قادیانیت کے حوالے سے کافی لکھا تھا۔ ایک قادیانی مصنف شیخ عبدالماجد نے ''اقبال اور احمدیت'' لکھ کر ایک بار پھر اس بحث کا آغاز کر دیا ہے۔ جب کہ اصولاً یہ بحث ختم ہو چکی تھی۔ شیخ عبدالماجد کی کتاب کے جواب میں دو کتابیں شائع ہوئیں۔ ایک عبدالمجید خاں ساجد کی اور دوسری پروفیسر خالد شبیر احمد کی۔ اور اب بشیر احمد نے ہمیشہ کی طرح نہایت عرق ریزی سے اس موضوع پر لکھا ہے۔ وہ قادیانیت کے موضوع پر پہلے بھی لکھ چکے ہیں لیکن انھوں نے اقبال اور قادیانیت کے موضوع پر پہلی بار قلم اٹھایا ہے۔

اقبال ایک سچے عاشق رسول تھے۔ اس سے کسی شخص کو اختلاف نہیں لیکن شیخ عبدالماجد جیسے لوگ اقبال کے ہاں قادیانیت کے متلاشی رہتے ہیں۔ یہ کارِزیاں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بشیر احمد جیسے دانشوروں کو اس لیے لکھنا پڑتا ہے کہ دوسری طرف گمراہی کی جو کوشش کی جارہی ہے اور سادہ دل مسلمانوں کے ذہن میں خدشات پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بشیر احمد کا کارِخیر یہ ہے کہ وہ انھیں حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں۔

اس کتاب کی تقدیم ڈاکٹر سفیر اختر، دیباچہ شکیل عثمانی اور تعارف ڈاکٹر ظفر اللہ بیگ نے رقم کیا ہے۔ انتساب شکیل عثمانی صاحب کے نام ہے۔ بشیر احمد صاحب نے ان کی علمی قابلیت سے استفادہ کیا اور اس کا اعتراف اس کتاب میں دو جگہ پر کیا ہے۔ انتساب کی عبارت اس طرح ہے:

> ''صدیقی العزیز شکیل عثمانی کے نام..... جن کی تحریک پر یہ کتاب لکھی گئی اور جنھوں نے اس کی ترتیب وتدوین اور اس کے لیے بعض نکات کی تفہیم وتعبیر میں مدد کی۔''

اور پھر وہ ''عرضِ مصنف'' میں ان کی علم دوستی کا اعتراف کرتے ہیں:

> ''اس کتاب کی تصنیف واشاعت کا سارا کریڈٹ صدیقی العزیز شکیل عثمانی صاحب کو جاتا ہے۔ ان ہی کی تحریک پر اس کا مسودہ تیار کیا گیا اور انھوں نے اس کی ترتیب وتدوین نیز بعض حواشی لکھنے میں از حد محنت کی اور متن میں اہم اضافے کیے۔ جس کے لیے میں ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

یہ کتاب ۱۲ ابواب پر مشتمل ہے:

(۱) خاندانِ اقبال اور قادیانیت (۲) بانی قادیانیت کے متعلق علامہ اقبال کی ابتدائی تحریر (۳) علامہ اقبال پر انگریز نوازی کا الزام (۴) علامہ اقبال کے حکیم نورالدین اور جماعت احمدیہ لاہور سے تعلقات (۵) علامہ اقبال علمی سیاست

میں (۶) علامہ اقبال نے ۱۹۳۴ء میں قادیانیت کے خلاف مضامین کیوں نہ لکھے۔ (۷) کیا علامہ اقبال نے قادیانیت کے خلاف اس لیے مضامین لکھے کہ وہ وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر نہ بن سکے۔ (۸) قادیانیت کے حقیقی خدوخال (۹) علامہ اقبال کے بیان پر قادیانی جرائد کے تبصرے اور پنڈت نہرو کے خطوط ''الفضل'' کا اداریہ (۱۰) علامہ اقبال کے آخری دو سال (۱۱) سر ظفر اللہ کی آئینی سکیم ۱۹۴۰ء (۱۲) قادیانیت سٹیٹ کا خواب

ڈاکٹر سفیر اختر کی رائے توجہ طلب ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ جناب بشیر احمد کی زیرِ نظر کاوش سے شیخ عبدالماجد کے ہم عقیدہ دوست مطمئن ہو جائیں گے اور وہ احمدی تحریک کے بارے میں علامہ اقبال کی آخری رائے ہی کو ان کی اصل مان لیں گے۔ تاہم غیر جانبدار قاری پر یہ بات ضرور واضح ہو جائے گی کہ احمدی قلم کار، علامہ اقبال کی ۳۶۔۱۹۳۵ء کی تحریروں کو کیوں بھلا نہیں سکتے؟''

میرا خیال ہے کہ یہ کتاب شیخ عبدالماجد کے کسی ہم خیال کو مطمئن کرے یا نہ کرے، اقبال کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے یقیناً مفید ثابت ہو گی۔ اسے اقبال کے عقیدے کی ایک مختصر تاریخ بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب اقبال کے حوالے سے پیدا کیے گئے خدشات کو دور کرتی ہے۔ (تبصرہ: جاوید اختر بھٹی)

- کتاب: سلطان نورالدین محمود زنگی　　　　مؤلف: طالب الہاشمی

ضخامت: ۲۹۶ صفحات　قیمت: ۱۵۰ روپے　　ناشر: طٰہٰ پبلی کیشنز، ملک جلال الدین بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

آج مسلمانوں کو صلیبی جنگوں کا سامنا ہے۔ صلیبی ایک بار پھر صدیوں کی محنت کے بعد تیار ہو کر آئے ہیں۔ اس بار مسلمانوں پر سخت امتحان کا وقت ہے۔ چھٹی صدی ہجری کے ایک مجاہدِ اعظم سلطان نورالدین زنگی پر طالب الہاشمی صاحب کی کتاب شائع ہوئی ہے۔ عہدِ رفتہ میں ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کتاب کا بغور مطالعہ کیا جائے تا کہ آج مسلمانوں کو جن صلیبی جنگوں کا سامنا ہے۔ اس کے ماضی کو ایک نظر دیکھ سکیں۔ جس میں مسلمانوں کو ان کے ارادے اور ایمان کی وجہ سے فتح نصیب ہوئی تھی۔

نورالدین محمود ۱۳ر شوال ۵۱۱ھ یک شنبہ کو طلوعِ آفتاب کے وقت پیدا ہوئے۔ بعض مؤرخوں نے ان کی جائے پیدائش موصل لکھی ہے۔ ان کی والدہ والیِ موصل کے فرزند ناصرالدین کی بیٹی تھیں۔ نورالدین جب چار برس اور چار مہینے کے ہوئے تو انھیں مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ جب وہ سولہ برس کے ہوئے تو انھیں قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، اصول، معانی، ادب اور مناظرہ پر پوری دسترس حاصل ہو چکی تھی۔ وہ بہت تھوڑے عرصہ میں نہ صرف شمشیر زنی، نیزہ بازی اور تیر اندازی میں طاق ہو گئے بلکہ انھوں نے سپاہیانہ فنون میں مکمل مہارت حاصل کر لی تھی۔ نورالدین کو ان کے والد اکثر لڑائیوں میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ قلعہ جعبر کے محاصرے کے دوران میں جب عمادالدین شہید ہوئے تو اس وقت نورالدین کی عمر تیس برس تھی۔ والد کی وفات کے بعد انھوں نے نظامِ حکومت سنبھالا۔

یہ کتاب اس لیے بھی اہم ہے کہ اس میں سلطان نورالدین زنگی اور ان کے والد عمادالدین زنگی کے حالاتِ زندگی اور اہم واقعات اور نظامِ حکومت کے ساتھ ساتھ صلیبی جنگوں کا تفصیلی جائزہ بھی ہے۔ اس طرح یہ کتاب مسلمانوں کی تاریخ کے ایک دور کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ جس کے اثرات آج تک موجود ہیں۔ تاریخ اسلام میں نورالدین زنگی ایک ناقابلِ فراموش

شخصیت ہیں۔انھوں نے ۲۸ برس حکومت کرنے کے بعد ۵۸ برس کی عمر میں انتقال کیا۔وفات کے بعد ان کی تمام آرزوئیں قریب قریب پوری ہو چکی تھیں۔عیسائیوں کوانھوں نے شام سے نکال دیا تھا۔مصر کو اپنے زیر اقتدار لا چکے تھے۔ صرف ایک آرزو باقی تھی۔بیت المقدس کوعیسائیوں کے پنجے سے چھڑانا۔اس حسرت کو وہ اپنے دل میں لے گئے اور اسے ان کے بعد صلاح الدین ایوبی نے پورا کیا۔

طالب الہاشمی صاحب کی مزید چند کتابیں بھی اہل علم حضرات میں مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔جن میں ''خلق خیرالخلاق صلی اللہ علیہ وسلم''، ''یہ تیرے پراسرار بندے''،''سیرت حضرت ابو ہریرہ'' کے نام لیے جا سکتے ہیں۔جنہیں طٰہٰ پبلی کیشنز نے ہی شائع کیا ہے۔(تبصرہ: جاوید اختر بھٹی)

● کتاب: خونیں تحریکیں　　　مؤلف: اظہر امرتسری

ضخامت: ۳۰۳ صفحات　　　قیمت: ۱۵۰ روپے　　　ناشر: طٰہٰ پبلی کیشنز لاہور

اظہر امرتسری کئی اعتبار سے اپنی شناخت رکھتے ہیں۔وہ بیک وقت شاعر، ادیب، صحافی اور خطیب تھے سیاسی حوالے سے اظہر صاحب احرار سے وابستہ رہے۔تحریک کشمیر ۱۹۳۱ء میں وہ احرار کی طرف سے راولپنڈی محاذ کے انچارج تھے۔ لیکن شہید گنج کی تحریک ۱۹۳۵ء میں وہ احرار سے الگ ہو گئے۔بعد ازاں وہ راولپنڈی سے لاہور آ گئے اور مولانا ظفر علی خان نے انہیں ''زمیندار'' کا نائب مدیر مقرر کر دیا اور انہیں ''اتحاد ملت'' کا سیکرٹری بھی بنا دیا۔

اظہر صاحب کی دو کتابیں شائع ہوئیں۔ایک ''خونیں تحریکیں'' اور دوسری ''دنیائے اسلام کا ماضی و مستقبل''۔ان کی وفات پر آغا شورش کاشمیری نے ایک خاکہ لکھا۔اس کا اختتام یوں ہے:

> ''بعض آدمیوں کی موت وقت پر ہوتی ہے، بعض کی بے وقت۔اظہر کی موت وقت پر ہوئی نہ بے وقت۔ وہ ایک عرصہ سے موت کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔آخر موت نے ہاتھ بڑھایا اور اٹھا لیا۔غرض موت نے انھیں انتخاب نہیں کیا خود انھوں نے اپنے لیے موت کا انتخاب کیا۔''

جن دنوں اظہر صاحب مرحوم اس کتاب کولکھ رہے تھے تو ان کی بائیں آنکھ نا کارہ ہو گئی۔اس کتاب میں وہ خود لکھتے ہیں:

> ''اگر چہ میں لکھنے پڑھنے کے قابل نہیں تھا۔لیکن قدرت کی سازگارانہ امداد نے برادر عزیز عبدالرحیم شبلی کی انگلیوں کو میری انگلیاں بنا دیا تھا اور ان کے قلم کی زبان میں میرے الفاظ ڈال دیئے۔چنانچہ ''عباسیہ'' اور ''کاذبیہ'' میری تقریر پر مبنی ہیں جسے شبلی صاحب نے قلم بند کیا۔''

اس کتاب کی پہلی اشاعت آج سے تقریباً ۶۶ برس قبل ہوئی تھی۔اور اس کے کچھ عرصہ بعد مؤلف کتاب خدا بخش اظہر امرتسری اور ناشر حافظ محمد عالم (مالک عالمگیر بک ڈپو لاہور) دونوں انتقال کر گئے۔

طبع جدید کا اہتمام محمد عفیف طٰہٰ نے کیا ہے اور اس پر نظر ثانی طالب الہاشمی صاحب نے کی ہے۔انھوں نے اس کتاب میں دو مضامین ''یورش تاتار'' اور ''علی محمد باب'' کا اضافہ کر دیا ہے جو کہ ۱۹۴۱ء اور ۱۹۴۲ء میں ماہنامہ ''عالمگیر'' کے ''تاریخ نمبر'' میں شائع ہو چکے ہیں۔طبع اوّل میں بے شمار غلطیاں تھیں جنھیں ہاشمی صاحب نے درست کیا اور غلطیوں سے مبرا طبع جدید کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

طبع اوّل کا دیباچہ پروفیسر محمد علم الدین سالک نے رقم کیا اور پیش لفظ ''معروضات مصنف'' کے عنوان سے شامل تھے۔ طبع جدید میں ان کے ساتھ شورش کاشمیری کا لکھا ہوا ایک خاکہ اور طالب الہاشمی کے لکھے ہوئے تعارف کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس طرح ۶۶ برس بعد اس کتاب کا مطالعہ کرنے والی نئی نسل کو دقت پیش نہیں آئے گی۔

یہ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے:

(۱) علویہ (۲) عباسیہ (۳) باطنیہ (۴) قرامطہ (۵) مہدویہ (۶) صلاحیۃ (۷) وہابیہ (۸) کاذبیہ

ماہر آثاریات پروفیسر احمد دانی نے اپنے تازہ انٹرویو (مطبوعہ روزنامہ ''ایکسپریس'' ۴؍فروری ۲۰۰۷ء) میں کہا ہے کہ ''تاریخ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ جھوٹ کا پلندہ ہوتی ہے۔'' مگر یہ بات مکمل طور پر درست نہیں۔ اسے نظریے کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

اس کتاب کے صفحات پر بار بار مقاماتِ عبرت آتے ہیں۔ یہ مسلم تاریخ کے چند اوراق ہیں۔ دراصل دنیا بھر کی تاریخ میں ایسے ہی واقعات کا تسلسل ملتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ حصول اقتدار اور اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے ایسے واقعات سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہی تاریخ کا سچ ہے جسے لاکھ کوشش کے باوجود مخفی نہیں رکھا جا سکتا۔ (تبصرہ: جاوید اختر بھٹی)

● کتاب: کوہِ صبر و استقامت، ملاّ عبدالسلام ضعیف　　　مرتب: حافظ محمد ندیم

ضخامت: ۱۴۴ صفحات　　قیمت: ۱۲۰ روپے　　ناشر: دارالکتاب، کتاب مارکیٹ۔ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

پاکستانیوں کو وہ دن اچھی طرح یاد ہوں گے، جب امریکہ افغانستان پر حملے کی تیاری کر رہا تھا اور نائن الیون کا واقعہ رونما ہو چکا تھا اور امریکہ ملزمان کی تلاش میں سرگرداں تھا اور ملاّ ضعیف مسلسل عالمی میڈیا سے مخاطب تھے۔ دنیا بھر کے کیمرے ان کی تصویریں بنا رہے تھے۔ اس وقت ان کی حیثیت ایک معزز سفیر کی تھی اور پھر بقول عرفان صدیقی:

> ''پاکستانی اہلکاروں نے ہر رشتے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سابق سفیر ملاّ عبدالسلام ضعیف کو خونخوار امریکیوں کے سپرد کر دیا یہ سپردگی بذات خود ایک شرم ناک سوالیہ نشان ہے کیونکہ ہمیں اس کا اختیار نہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ممکن تھا کہ ملاّ عبدالسلام ضعیف کو پاکستان چھوڑ کر افغانستان چلے جانے کے لیے کہا جاتا۔''

انسانی حقوق کے نعرے لگانے والے کذاب امریکی صدر بش نے مسلمانوں پر ظلم اور جبر کی انتہا کر دی ہے۔ اس نے امریکہ کو دنیا بھر کے لیے ناقابل اعتبار بنا دیا ہے۔

ملاّ ضعیف نے امریکہ کی قید سے رہائی کے بعد ایک کتاب لکھی، اس کا کافی ذکر رہا۔ اخبارات میں اس کے منتخب اقتباسات شائع ہوئے۔ انہی تراجم کو حافظ ندیم صاحب نے یکجا کر دیا۔ یہ دراصل ملاّ ضعیف کی کتاب کی تلخیص ہے۔

امریکی قید میں ملاّ ضعیف کے ساتھ گوانتاموبے میں عام قیدیوں کا سا سلوک کیا گیا، جبکہ وہ اپنے ملک کے سفیر رہ چکے تھے۔ انہیں معمولی سا احترام یا رعایت بھی حاصل نہ ہوئی۔ سفاک امریکیوں نے اس کی ڈاڑھی، مونچھیں اور ابرو تک صاف کر دیئے۔ انہیں گھٹنوں کے بل چلنے پر مجبور کیا گیا۔ ان کے پیچھے کتے لگا دیئے گئے۔ نیم برہنہ امریکی عورت انہیں تیز چلنے کا حکم دیتی تھی، انہیں برہنہ کر کے ان کی تصویریں بنائی گئیں۔ اس کو سرخ رنگ کے کپڑے اور سرخ رنگ کے بوٹ پہنائے گئے، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں، انہیں مار مار کر اور دھکے دے کر جہاز میں سوار کرایا گیا۔ قندھار سے گوانتاناموتک ۳۰ گھنٹے کے سفر میں ہر قیدی کو صرف ایک گلاس پانی اور ایک سیب دیا گیا۔ ملاّ ضعیف کہتے ہیں کہ ''اس سے

اندازہ لگائیے کہ امریکیوں کے دلوں میں انسانیت کا کتنا احترام ہے۔

امریکہ نے جو سلوک عراقیوں اور افغانیوں سے کیا اس کے سامنے تو چنگیز، ہلاکو اور ہٹلر کی روحیں بھی نہ صرف شرمندہ ہیں بلکہ حیرت زدہ ہیں۔ صدام حسین کے ساتھ جو سلوک ہوا' وہ دنیا کے سامنے ہے۔ اب امریکہ اتنا طاقتور ہے کہ جب چاہے کسی ملک میں داخل ہو کر وہاں قتل عام کر سکتا ہے اور اس ملک کے سربراہ کو سزائے موت دے سکتا ہے۔

آخر میں وہی دعا کرنی چاہیے کہ ''تمام مظلوم مسلمان بھائیوں کے لیے دعا گو ہوں کہ ان کو خدا تعالیٰ بخیر و عافیت تمام مصیبتوں سے اپنی امان میں رکھے اور قیدی بھائی سلامتی کے ساتھ رہائی پائیں۔ اللہ ہمیں آزمائشوں سے بچائے اور ہر امتحان میں سرخرو فرمائے۔ (آمین) (تبصرہ: جاوید اختر بھٹی)

● کتاب: حقانی وظائف　　　تالیف: مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت: ۳۲ صفحات　　قیمت: درج نہیں　　ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد نوشہرہ، سرحد

زیرِ مطالعہ کتابچہ میں مؤلف نے فرموداتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشنی میں قرآنی وظائف پیش کیے ہیں۔ جسمانی اور روحانی امراض کی صورت میں قرآن مجید کی آخری سورتوں کے پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ حادثات و خطرات اور ہمہ جہتی اندیشہ ہائے مضرات سے حفاظت کے لیے نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) بشارات کو اس کتابچے میں یک جا کیا گیا ہے۔
(تبصرہ: شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی)

● کتاب: حقانی تبصرے　　　تالیف: مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت: ۳۱۵ صفحات　　قیمت: درج نہیں　　ناشر: القاسمی اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ۔

زیرِ نظر کتاب میں ''ماہنامہ القاسم'' ۲۰۰۶ء میں مختلف موضوعات پر شائع ہونے والی ۲۰۰ کتابوں پر تبصرے و تعارف شامل ہیں۔ مؤلف کی زبان میں جدید مطبوعات پر تعارف و تبصرہ کا مقصد معاشرے میں علم و مطالعہ اور کتاب کی اہمیت کا اجاگر کرنا ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، ادب...... الغرض کوئی بھی موضوع ایسا نہیں جس پر ادارے کو موصول ہونے والی کتاب کو متعارف نہ کرایا گیا ہو۔ کاغذ معیاری اور کتاب چہاررنگا ٹائٹل کے ساتھ بھلی لگتی ہے۔ (تبصرہ: شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی)

● کتاب: تذکرہ و سوانح علامہ شبیر احمد عثمانی (اشاعت خاص ماہنامہ ''القاسم'')　　مدیر و مرتب: مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت: ۴۳۹ صفحات　　قیمت: درج نہیں　　ناشر: القاسمی اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا نام نامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کے مایہ ناز شاگرد اور ان کے علمی و سیاسی خدمات کے امین تھے۔ علم تفسیر و حدیث میں نہایت اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ تحریک پاکستان میں قائدانہ کردار ادا کیا اور پاکستان بننے کے بعد ملک کے نظریاتی تشخص کو ''قراردادِ مقاصد'' کی صورت میں پارلیمنٹ سے منظور کرا کر آئین کی بنیاد بنایا۔

مولانا عبدالقیوم حقانی نے اپنے ماہنامہ ''القاسم'' کی ایک خصوصی اشاعت میں حضرت علامہ عثمانیؒ کی عظیم شخصیت سے موسوم کر کے قوم کے ایک بڑے محسن کے ایمان افروز حالات و واقعات نئی نسل تک پہنچائے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے متعلق مختلف مضامین کو یکجا کیا گیا ہے اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی زندگی کی بہت سی ایسی باتیں حیطۂ تحریر میں لائی گئی ہیں جو ایک مستقل نصیحت اور وصیت کا درجہ رکھتی ہیں۔ مضمون نگاروں میں علامہ سید سلیمان ندوی، قاری محمد طیب قاسمی، مفتی محمد تقی عثمانی، منشی

عبدالرحمٰن، مولانا محمد یوسف لدھیانوی، الطاف حسن قریشی، احسان دانش، مولانا ولی رازی اور مولانا محمد مالک کاندھلوی شامل ہیں۔ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پرنٹنگ معیاری اور ٹائٹل جاذبِ نظر ہے۔ (تبصرہ: شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی)

● کتاب: انصاف فی حدود الاختلاف　　　تالیف: سید خلیل حسین میاں

ضخامت: ۹۶ صفحات　　قیمت: درج نہیں　　ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ۔

اس کتاب میں مؤلف نے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی کتاب فضائل تبلیغ کی وہ دو فصلیں جن میں علماء کی تکریم، عام مسلمان کے آپس میں تعلقات، تنقید کا مزاج سے متعلق مضامین ہیں' شامل کی ہیں۔ علاوہ ازیں کچھ دوسری کتابوں سے بھی متعلقہ اقتباسات شامل کتاب کیے ہیں۔ جن میں مسلمان کی شان، خوش اخلاقی، مؤمن کی خیرخواہی، علمائے کرام کی ذمہ داری، طلباء کے لیے اساتذہ کا ادب واحترام، غیبت پر وعید، تکبر کا علاج، مسلمانوں کو امت بننے کی دعوت اور تمسخر واستہزاء جیسے اہم عنوانات قابل ذکر ہیں۔ جو ایک صحیح مسلمان معاشرہ کے قیام میں بنیاد ہیں۔ (تبصرہ: شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی)

● کتاب: پاک و ہند کے نام ور علماء ومشائخ　　مؤلف: مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ　　مرتبہ: حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

ضخامت: ۳۲۰ صفحات　　قیمت: درج نہیں　　ناشر: ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی۔ لاہور

حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ ماضی قریب کی نہایت علمی شخصیت ہیں۔ علم وعمل، تقویٰ وتدیّن اور تصوف وسلوک کے مراتب پر بھی وہ جلوہ افروز نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنے عہد کی جن شخصیات کو دیکھا اور جن سے اُن کا تعلق رہا وہ بھی اپنے اپنے درجے کے ممتاز اور باکمال انسان تھے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ان شخصیتوں کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا 'وہ اُن کے مکمل سوانح نہیں ہیں بلکہ اپنے ذاتی تعلق اور یادوں کو قلم بند فرمایا ہے۔ تاہم تین سو بیس صفحات کی اس کتاب میں ساٹھ سے زائد شخصیات کا تذکرہ ہے۔ جن میں مفسرین، محدثین، فقہاء اور مشائخ سبھی شامل ہیں۔ اکابر ومشائخ اور جید علماء کرام کے بصیرت افروز واقعات اور روح پرور حالات یکجا کیے گئے ہیں جو مختلف اوقات میں ملک کے مختلف جرائد ورسائل میں شائع ہوتے رہے۔ ان شخصیات میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حسین احمد مدنی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع، مولانا خیر محمد جالندھری، مفتی محمد حسن، مولانا احتشام الحق تھانوی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا محمد یوسف بنوری اور دیگر شامل ہیں۔ حافظ محمد اکبر شاہ بخاری' شخصیات کے حالات وسوانح اور تذکار کو جمع کرنے کا خاص ذوق رکھتے ہیں۔ اس کتاب کو مرتب کر کے انھوں نے اکابر سلف سے اپنی محبت کا حقیقی اظہار کیا ہے۔ (تبصرہ: شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی)

● کتاب: اقوالِ زریں　　　مرتب: محمد اسحاق ملتانی

ضخامت: ۲۸۸ صفحات　　　قیمت: درج نہیں　　　ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان

جاذبِ نظر پاکٹ سائز اس کتاب میں احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اللہ والوں کے تیرہ سو سے زائد دل آویز اقوال جمع کیے گئے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے فقروں میں دنیا وآخرت کے خزانے پوشیدہ ہیں۔ علم وحکمت کے موتیوں سے معمور مرتب کی کاوش قابل ستائش ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ بعض اوقات ایک چھوٹی سی قیمتی بات زندگی میں انقلاب برپا کر دیتی ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں ایسے ہی عبرت ونصیحت آموز اقوال جمع کیے گئے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے سنجیدہ اور باعمل زندگی کا خوشگوار احساس پیدا ہوتا ہے۔ پرنٹنگ، کاغذ، ٹائٹل معیاری ہے۔ (تبصرہ: شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی)

● ماہنامہ '' آبِ حیات'' لاہور (خصوصی شمارہ ''صدام حسین شہید نمبر'')　　مدیر: مولانا محمود الرشید حدوٹی مدظلہ

ماہنامہ '' آبِ حیات'' لاہور سے شائع ہونے والا ایک معیاری اسلامی ماہنامہ ہے۔ بہترین مشمولات، اسلامی معلومات، عمدہ طباعت اور خوبصورت سرورق کے ساتھ اس کی باقاعدہ اشاعت نے اسے ان گنت اسلامی و دیگر ماہناموں کی صوف میں ایک امتیازی شان عطا کی ہے اور اس کا کریڈٹ بجا طور پر اس کے فاضل مدیر محترم مولانا محمود الرشید حدوٹی مدظلہ کو جاتا ہے۔ زیرِ تبصرہ شمارہ خاص نمبر ہے جس کا موضوع صدام حسین شہید اور ان کی جرأت مندانہ شہادت ہے۔

فاتح بیت المقدس صلاح الدین ایوبی کے ہم وطن، عراق کے مردِ آہن صدام حسین شہید کی ستر سالہ ہر دم ہنگامہ خیز اور جہدِ عملی سے لبریز زندگی ایک نہایت ہی عجیب انداز میں تمام ہو چکی ہے۔ امریکی مفادات کی یرغمال عدالت نے ان کو پھانسی کی سزا سنائی اور پھر اس پر عمل درآمد بھی کرایا۔ ان پر انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور شیعہ اقلیت کی نسل کشی کے الزامات تھے۔

صدام حسین اب اس دنیا میں نہیں رہے مگر جس جگر داری کے ساتھ انھوں نے موت کو گلے لگایا' اس سے امریکہ سمیت تمام اسلام دشمن طاقتوں کو واضح ہو گیا کہ مسلمان چاہے کتنا ہی بے عمل اور کیسا ہی گیا گزرا کیوں نہ ہو جب وہ توبہ کر کے اللہ تعالیٰ پر یقین کامل کے ساتھ باطل کے مقابل کھڑا ہوتا ہے تو پھر موت کو سامنے دیکھ کر بھی اس کے قدم ڈگمگاتے نہیں' وہ سینہ تان کر آگے بڑھتا ہے اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر الٹا اسے ڈرا دیتا ہے۔

صدام حسین کی موت ایک مجاہد جرنیل، ایک شیر دل رہنما اور ایک پُر یقین مسلمان کی موت ہے بلکہ موت کیا ہے فیض کے دو شعروں کا عملی نمونہ ہے:

کرو کج جبیں پہ سر کفن مرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرورِ عشق کا بانکپن پس مرگ ہم نے بھلا دیا

اور

مرے چارہ گر کو نوید ہو صفِ دشمناں کو خبر کرو
جو وہ قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب آج چکا دیا

(تبصرہ: صبیح ہمدانی)

ادارہ　　　مجلس احرار اسلام پاکستان کی سرگرمیاں

اخبارُالاحرار

ملتان بم دھماکے کی مذمت:

ملتان (۲/مارچ) مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر سید عطاء المہیمن بخاری، سیکرٹری جنرل پروفیسر خالد شبیر احمد، عبداللطیف خالد چیمہ اور سید محمد کفیل بخاری نے ملتان میں ہونے والے بم دھماکے اور قیمتی جانوں کے نقصان پر انتہائی دکھ کا اظہار کیا ہے۔ انھوں نے اپنے مشترکہ بیان میں اس تخریب کاری کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ یہ واضح طور پر ملک دشمن کارروائی ہے۔ انھوں نے کہا کہ حکومت ملک میں امن وامان قائم کرنے میں بری طرح ناکام ہو چکی ہے۔ گزشتہ دو ماہ میں اتنے بم دھماکے ہوئے ہیں کہ ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ تخریب کار بم دھماکوں کے ذریعے خوف وہراس، بدامنی اور انتشار پھیلا کر ملک کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ جو حکمران، منصف اور محافظ کو بھی نہ بچا سکیں۔ ان کے اقتدار میں رہنے کا کوئی جواز نہیں۔ عوام عدمِ تحفظ کا شکار ہیں۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ مجرموں کو گرفتار کر کے عبرتناک سزا دی جائے۔

بعض عناصر نہیں چاہتے کہ مساجد کا مسئلہ حل ہو ○ جاوید ابراہیم پراچہ

اہم عہدوں پر بیٹھے قادیانی معاملات خراب کر رہے ہیں، حکومت ہمارے مطالبات پورے نہیں کر رہی

اسلام آباد (۳/مارچ) معروف مذہبی وسیاسی رہنما جاوید ابراہیم پراچہ نے کہا ہے کہ ملک میں موجود بعض عناصر یہ نہیں چاہتے کہ مساجد کی تعمیر کا مسئلہ حل ہو اور وہ معاملے کو انتہائی حد تک لے جانا چاہتے ہیں۔ البتہ اسلام آباد کی انتظامیہ اور وزارتِ داخلہ وطالبات کے تحمل کی وجہ سے یہ معاملہ ابھی تک خراب نہیں ہوا ہے۔ اس حوالے سے جمعہ کو جامعہ حفصہ اسلام آباد میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ حکومت کی قائم کردہ کمیٹی کام نہیں کر رہی ہے اور مسجد امیر حمزہ کی تعمیر بھی روک دی گئی ہے۔ میں نے بھی ثالثی سے اس لیے ہاتھ اٹھا لیا ہے کہ حکومت کیے گئے وعدے پورے نہیں کر رہی ہے۔ حکومت نے علماء کرام کی بنائی ہوئی کمیٹی کا بھی اجلاس طلب نہیں کیا۔ جاوید ابراہیم پراچہ نے کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ ان معاملات کو خراب کرنے میں قادیانی مذہب کے لوگوں کا ہاتھ ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس وقت میرے ساتھ ثاقب ممتاز موجود ہیں جو انجینئر ہیں اور پشاور انجینئرنگ یونیورسٹی میں استاد رہ چکے ہیں۔ یہ لیفٹیننٹ جنرل (ر) ممتاز کے صاحبزادے ہیں جو قادیانی ہیں۔ جب کہ ان کے چچا اس وقت قادیانیوں کی لاہوری جماعت کے سربراہ ہیں۔ انھوں نے کہا کہ جب ثاقب ممتاز قادیانیت سے تائب ہو کر مسلمان ہوئے تو انھیں گھر اور جائیداد سے محروم کر دیا گیا۔ ثاقب ممتاز کی موجودگی میں قادیانی جماعت نے تین فیصلے کیے تھے کہ قادیانیوں کو کافر قرار دینے والی آئینی ترامیم پر انتقاماً ملک میں بھاری سرمایہ خرچ کر کے شیعہ سنی فساد کرایا جائے۔ دونوں مسالک کے علماء کو قتل کرایا جائے، بریلوی، دیوبندی فساد کرایا جائے، ملک کے اندر لسانی فسادات کا بھی منصوبہ اس اجلاس میں طے کیا گیا۔ میں مطالبہ کرتا ہوں کہ حکومت اس طبقے کی مذموم سرگرمیوں کو روکے اور مسائل کو حل کرنے کی طرف توجہ دے۔ کیوں کہ ہمیں شک ہے کہ یہ طبقہ خواہش رکھتا ہے کہ اس تحریک کو صوبائی حکومت کے خلاف اور ملک میں ایمرجنسی کے نفاذ کے لیے استعمال کیا جائے لیکن ہم مسجد اور مدرسے کے تقدس کے دینی مسئلے کو سیاست میں استعمال نہیں کریں گے۔ نہ ہی ہم اس مسئلے کے ذریعے حکومت کے خلاف کسی تحریک کا حصہ بنیں گے۔ ہم صرف شہید مساجد کی تعمیر نو، انھیں آئندہ نہ گرانے اور اسلامی نظام کے عملاً نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہی ہمارا ایجنڈا ہے۔

تحفظ ختم نبوت کانفرنس لاہور:

لاہور(۸؍مارچ) تحریک مقدس تحفظ ختم نبوت مارچ ۱۹۵۳ء کے دس ہزار شہداء کی یاد میں مجلس احرار اسلام پاکستان کے زیراہتمام مرکز احرار نیو مسلم ٹاؤن میں منعقدہ عظیم الشان ’’تحفظ ختم نبوت کانفرنس‘‘ کے مقررین نے انتباہ کیا ہے کہ حکومت ’قانون تحفظ ناموسِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قانون تحفظ ختم نبوت کو ہرگز نہ چھیڑے اور ان قوانین میں ترمیم کا ارادہ ترک کردے ورنہ نامساعد حالات کے باوجود اسلامیانِ پاکستان جان کی بازی لگا کر بھی ہر ممکن مزاحمتی کردار ادا کریں گے اور منکرین ختم نبوت اور ان کے سرپرستوں کا راستہ روکا جائے گا۔ کانفرنس مجلس احرار اسلام کے مرکزی امیر سید عطاء المہیمن بخاری کی زیرصدارت منعقد ہوئی اور اس میں جامعہ اشرفیہ کے مفتی حمید اللہ جان، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے بانی سیکرٹری اطلاعات مولانا مجاہد الحسینی، جماعت اسلامی پاکستان کے نائب امیر حافظ محمد ادریس، جماعت الدعوۃ کے رہنما مولانا امیر حمزہ، مفتی عاشق حسین، جمعیت علماء اسلام کے رہنما مولانا محمد امجد خان، مولانا سیف الدین سیف، قاری شمس الرحمٰن معاویہ، پروفیسر نعیم مسعود، مجلس احرار اسلام کے مرکزی سیکرٹری جنرل پروفیسر خالد شبیر احمد، سید محمد کفیل بخاری، عبداللطیف خالد چیمہ، مولانا عبدالنعیم نعمانی، قاری محمد یوسف احرار سمیت متعدد مقررین نے خطاب کیا۔

سید عطاء المہیمن بخاری نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ ایک بار پھر خطرناک حد تک قادیانی ریشہ دوانیاں بڑھ چکی ہیں اور موجودہ حکمران سرکاری وسائل سے قادیانیوں اور ہر دین دشمن تحریک کو پرموٹ کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ۵ اور ۶ مارچ ۱۹۵۳ء کو لاہور، ملتان، کراچی اور گوجرانوالہ سمیت ملک بھر میں جس طرح فرزندانِ توحید کے مقدس خون سے سڑکوں کو لالہ زار کیا گیا۔ اس سفاکی کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ان شہداء کا جرم یہ تھا کہ وہ ناموسِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اس ملک میں قانونی تحفظ چاہتے تھے جو ملک شریعت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نفاذ کے نام پر بنا تھا۔ آج ہم اسی جرم کے اعادے اور اسی عزم کا اظہار کرتے ہیں۔ دراصل یہ اس عہد کا دن ہے کہ اس مسئلہ پر کوئی کمپرومائز نہیں کیا جاسکتا۔ مسلمان سب کچھ برداشت کرلے گا لیکن اتنی بے حمیتی اور بے غیرتی کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔ جس کا اندازہ حکمرانوں اور ان کے آقاؤں نے کر رکھا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ۱۹۵۳ء کے دس ہزار شہیدوں کے خون کے صدقے ۱۹۷۴ء میں بھٹو مرحوم کے دورِ اقتدار میں تحریک ختم نبوت کامیابی سے ہم کنار ہوئی۔ اس کے پیچھے پون صدی کی منظم جدوجہد اور قربانیوں کی لازوال داستان ہے اور اکابر احرار اور مجاہدین ختم نبوت کے خلوص کا ثمر ہے۔ ہم ان قربانیوں کے نتیجے میں پارلیمنٹ اور عدالتی فیصلوں کو کسی قیمت پر ضائع نہیں ہونے دیں گے۔ دیگر زعماء اور مقررین نے کہا کہ ’’سب سے پہلے پاکستان‘‘ کا نعرہ لگانے والے حکمران بری طرح ناکام ہوچکے ہیں۔ ان کا نعرہ ’’سب سے پہلے پاکستان‘‘ دھوکہ اور فراڈ ہے۔ ان کا اصل نعرہ ’’سب سے پہلے اپنا اقتدار بچاؤ‘‘ ہے۔ چاہیے ملک کی بنیادیں ہل جائیں مگر حکمرانوں کا ترجیحی ماٹو اور مقصد زندگی یہی ہے۔ مقررین نے کہا کہ ہمارا مقصد زندگی اللہ کی زمین پر اللہ کی حکومت قائم کرنے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے سوا کچھ نہیں۔ مقررین نے الزام عائد کیا کہ حکومت نے امریکی و یہودی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے قادیانیوں اور لادین این جی اوز کو کھلا چھوڑ رکھا ہے۔ جب کہ بلا امتیاز انسانیت کی خدمت کرنے والے اداروں ’’الرشید ٹرسٹ‘‘ اور ’’الاختر ٹرسٹ‘‘ پر محض اقوام متحدہ کی ایک قرارداد کے تحت پابندی عائد کرکے فلاحی کاموں کو بند کردیا گیا ہے۔

کانفرنس میں متعدد قراردادوں کے ذریعے مطالبہ کیا گیا کہ حکومت ڈی اسلامائزیشن کا ارادہ ترک کرے اور ملک کے بچے کھچے تشخص کی تباہی کا موجب نہ بنے، ارتداد کی شرعی سزا نافذ کی جائے، تحفظ حقوق نسواں کے نام پر فحاشی و بے حیائی کا بل واپس

لیا جائے ۔''الرشید ٹرسٹ'' اور ''الاختر ٹرسٹ'' پر پابندیاں واپس لی جائیں، جامعہ حفصہ اسلام آباد کا مسئلہ طاقت کی بجائے خوش اسلوبی سے حل کیا جائے ۔امتناع قادیانیت ایکٹ پر موثر عمل درآمد کرایا جائے ۔سول اور فوج میں مسلط تمام کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کو ہٹایا جائے اور فکری ارتداد کا راستہ بند کیا جائے ،قادیانیوں کو اسلامی شعائر اور دینی علامات کے استعمال سے روکا جائے، قادیانیوں کی عبادت گاہوں کی مساجد سے مشابہت ختم کی جائے ،قادیانی جماعت کو خلاف قانون قرار دیا جائے ،ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی کردار کشی بند کی جائے اور ان کو بلا تاخیر رہا کیا جائے ،لاپتہ افراد کو بازیاب کرایا جائے' قادیانی اوقاف کو سرکاری تحویل میں لیا جائے ،کانفرنس میں اس امر پر گہری تشویش کا اظہار کیا گیا کہ چناب نگر (ربوہ) کے اردگرد قادیانی ایک طویل اور خطرناک منصوبہ بندی کے تحت مہنگے داموں وسیع رقبے خرید کر مستقبل میں ملکی سلامتی کے لیے خطرات پیدا کر رہے ہیں ۔اس کا نوٹس نہ لیا گیا تو ہولناک کشیدگی جنم لے گی اور اس کی ذمہ دار موجودہ حکومت ہوگی ۔کانفرنس میں دینی وسیاسی زعماء اور محبِّ وطن جماعتوں سے پرزور اپیل کی گئی کہ وہ عالمی حالات اور بدلتے ہوئے منظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ختم نبوت کے محاذ پر اپنی نئی صف بندی کریں اور حقیقی صورتحال کا ادراک کرتے ہوئے تعلیم وتربیت ،میڈیا اور بین الاقوامی سطح پر لابنگ کا راستہ اختیار کریں۔

تحفظ ختم نبوت کانفرنس قصور: (رپورٹ: محمد عمران قصوری)

قصور (۹ رمارچ) مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر سید عطاء المہیمن بخاری نے مجلس الدعوۃ الحق و مجلس احرار اسلام قصور کے زیر اہتمام تحفظ ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ کوئی شخص اپنی محنت سے نبی نہیں بن سکتا۔اور اسی طرح کسی بھی نبی کا کوئی استاد نہیں ہوا کرتا اور نہ ہی نبی سے کوئی شخص فضیلت کا حامل ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے نبی بنا تا ہے۔مرزا قادیانی نے انسانوں کی شاگردی کی اور پھر بھی نبوت کا دعویٰ کیا جو نبوت کی توہین ہے ۔انھوں نے کہا کہ تعلیمی نظام کے ذریعے مسلمانوں کو اسلام کی روح سے خالی کرنے کی سازش کی گئی تاکہ مسلمان من چاہی زندگی گزارنے کی راہ پر چل پڑیں اور رب چاہی زندگی کے جذبہ سے محروم ہوجائیں ۔انھوں نے کہا کہ ہمیں یورپ وامریکہ کے خلافِ اسلام ہتھکنڈوں سے خبردار رہنا چاہیے۔کانفرنس سے مجلس الدعوۃ پاکستان کے بانی وصدر ادارہ تعلیم القرآن کے مہتمم مولانا محمد طفیل رشیدی، مجلس احرار اسلام قصور کے صدر مولانا محمد سفیان قصوری، سید سلمان گیلانی اور مولانا محمد قاسم نے بھی خطاب کیا۔

ختم نبوت کانفرنس چیچہ وطنی: (رپورٹ: سید میر رمیز احمد)

چیچہ وطنی (۱۵ رمارچ) شہداء ختم نبوت ۱۹۵۳ء کی یاد میں مجلس احرار اسلام چیچہ وطنی کے زیر اہتمام شہدائے ختم نبوت کانفرنس کی آخری نشست کے مقررین نے کہا ہے کہ قادیانیت' یہودیت کا چربہ ہے ۔اس فتنے کا سیاسی سطح پر بھی تعاقب ضروری ہے ۔موجودہ حکمرانوں کی بھول ہے کہ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون میں تبدیلی کر لی جائے گی ۔اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے ملک پر اسلام دشمن حکمرانوں کا محاسبہ وقت کی اہم ضرورت اور تحفظ پاکستان کا بنیادی تقاضا بن چکا ہے ۔چیچہ وطنی کی مرکزی جامع مسجد میں منعقد ہونے والی سالانہ کانفرنس کی صدارت قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری نے کی ۔ جب کہ کانفرنس سے انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے سربراہ مولانا عبدالحفیظ مکی (مکہ مکرمہ)، پاکستان شریعت کونسل کے جنرل سیکرٹری مولانا زاہد الراشدی، مولانا سید جاوید حسین شاہ (فیصل آباد) جمعیت اہل حدیث کے رہنما مولانا ابرار احمد ظہیر، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مولانا محمد ارشاد، بزم رضا کے چیئرمین شیخ اعجاز احمد رضا، معروف صحافی سیف اللہ خالد، مجلس احرار اسلام کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات عبداللطیف خالد چیمہ، حافظ محمد عابد مسعود ڈوگر، قاری محمد آصف رشیدی، حافظ محمد اکرم احرار، شیخ حسین اختر لدھیانوی اور

دیگر مقررین نے خطاب کیا۔ جب کہ ممتاز علماء کرام اور عمائدین شہر سٹیج پر موجود تھے۔ قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری نے اپنے خطاب میں کہا کہ مسئلہ ختم نبوت مولویوں کا نہیں بلکہ اللہ کی آبرو کا مسئلہ ہے اور اللہ اپنی آبرو کی حفاظت کرنا خوب جانتا ہے۔کوئی مائی کا لال توہین رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) قانون کو تبدیل نہیں کرسکتا۔ جب تک شہداء ختم نبوت کے وارث زندہ ہیں ختم نبوت کا پرچم سرنگوں نہیں ہونے دیں گے۔ مولانا عبدالحفیظ مکی نے کہا کہ مسلم امہ کی بڑھتی ہوئی افرادی قوت سے امریکہ سمیت پورا کفر بوکھلاہٹ کا شکار ہو چکا ہے جب کہ مسلم ممالک بالخصوص پاکستانی حکمران اپنے اقتدار کی خاطر یہود و نصاریٰ کے غلام بن کر اسلامی تشخص کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں اور علی الاعلان قرآن وحدیث کی تعلیمات کو حقیر بنانا چاہتے ہیں۔قادیانی گروہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر حکومتی آشیرباد کے تحت گھناؤنا کردار ادا کررہا ہے اور حکمران طبقہ قادیانیوں سے دوستی پر فخر محسوس کر رہا ہے۔انھوں نے کہا کہ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں اللہ کی رضا اور ختم نبوت کے تحفظ کے لیے مجاہدین ختم نبوت نے شہادت کا جام نوش کیا تھا۔جس کے نتیجہ میں اس وقت پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا اور قادیانیت کو منہ کی کھانا پڑ رہی ہے۔انھوں نے کہا کہ قادیانیت کے خلاف منظم تحریک کا سہرا مجلس احرار اسلام کے سر پر ہے اور احرار کی قربانیوں کے صلہ میں بالآخر قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے۔ مولانا زاہد الراشدی نے کہا کہ ہمیں ایسی روشن خیالی اور روشن خیال حکمران ہرگز قبول نہیں جو اسلام کے معمولی سے معمولی جزو سے ٹکرائیں اور مسلمان ایسے روشن خیالوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔انھوں نے کہا کہ ہم بھی انصاف، امن پسندی اور روشن خیالی کی بات کرتے ہیں لیکن ہماری اور مغرب کی روشن خیالی میں بڑا واضح فرق ہے۔ہم مغرب اور مغربی نمائندوں کی غیر شرعی اور اسلام سے متصادم روشن خیالی کی راہ میں رکاوٹ بنیں گے۔یہی سبق ہمیں تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے شہداء نے دیا ہے مسلمان وہ سبق نہیں بھولے اور نہ ہی اپنے مشن سے پیچھے ہٹے ہیں۔انھوں نے کہا کہ انسانی حقوق کا ڈھنڈورا پیٹنے والے انسانوں کو اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتے ہیں اور قادیانی روپ بدل کر دنیا کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ہمیں لڑائی کے نئے موروچوں کا ادراک کر کے اپنی صف بندی کا جائزہ لینا چاہیے۔ اہلحدیث رہنما مولانا ابرار احمد ظہیر نے کہا کہ مسئلہ ختم نبوت ایک بنیادی اور متفقہ مسئلہ ہے جس پر پوری قوم متحد ہے۔ہم قوت ایمانی سے اس مسئلہ پر مزاحمت کریں گے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مولانا محمد ارشاد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا امن میں ہے ظلم میں نہیں۔انھوں نے کہا کہ قرآن مکمل ضابطہ حیات ہے۔جس پر عمل پیرا ہو کر ہی مسلم امہ کامیاب ہوسکتی ہے۔حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے بچانے کے لیے قرآنی احکامات اور اسلامی شعائر کو مذاق نہ بنائیں۔ملک کے معروف صحافی اور دانشور سیف اللہ خالد نے کہا کہ مغرب کے منفی پروپیگنڈہ کے باوجود دنیا بھر میں غیر مسلم کثرت کے ساتھ اسلام کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔انھوں نے کہا کہ آزاد کشمیر سمیت بالائی علاقوں میں قادیانی ونصرانی مشنری ادارے اسلام دشمن سرگرمیوں کا جال پھیلا رہے ہیں۔ جہاں الرشید ٹرسٹ کے کارکن ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں میں رکاوٹ بن چکے تھے۔اسی بنا پر الرشید ٹرسٹ پر پابندی لگائی گئی ہے۔انھوں نے کہا کہ عالمی کفریہ قوتیں قرآنی تعلیمات کو اپنے مشن کی راہ میں رکاوٹ سمجھتی ہیں۔اسی لیے لادین حکمران اپنے آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے قرآنی تعلیمات واحکامات کو تعلیمی نصاب سے خارج کررہے ہیں۔اس سازش کا متحد ہو کر مقابلہ کرنا پڑے گا۔ شیخ اعجاز احمد رضا نے کہا کہ قادیانی اسلام دشمنی کے ساتھ ساتھ ملک دشمن بھی ہیں۔ ملک میں جتنی دہشت گردی ہورہی ہے' اس میں کسی نہ کسی درجہ میں قادیانی ملوث ہیں جس کی ہم شدید مذمت کرتے ہیں۔انھوں نے کہا کہ تحفظ نسواں بل غیر شرعی اور غیر اسلامی ہے جسے ہم مسترد کرتے ہیں۔قبل ازیں کانفرنس کی پہلی نشست کی صدارت تحریک آزادی کے کارکن چودھری محمد اکرام (لاہور)، ملک محمد یوسف اور ڈاکٹر شاہد شامی نے

کی ۔تحریک ختم نبوت کے سرگرم رہنما اور مجلس احراراسلام کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات عبداللطیف خالد چیمہ نے شبّانِ احرار، تحریک طلباء اسلام اور ختم نبوت سٹوڈنٹس جوائنٹ ایکشن کمیٹی کے ارکان ومعاونین اور مدارس دینیہ اور تعلیمی اداروں کے طلباء کے عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ ۱۹۵۳ء کی مقدس تحریک کے شہداء کے خون کا صدقہ ہے کہ پاکستان میں لاہوری وقادیانی مرزائیوں کو کافر اقلیت قرار دے دیا گیا اور ۱۹۸۴ء میں امتناع قادیانیت ایکٹ نافذ ہوا ۔ جو تعزیراتِ پاکستان کا حصہ ہے ۔انھوں نے کہا کہ امریکی ایجنڈے اور عالمی سازشوں کے جال میں پھنسے ہوئے حکمران دین دشمن کردار ادا کررہے ہیں اور ایک خطرناک سازش کے ذریعے قانون تحفظ ناموسِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قانون تحفظ ختم نبوت کو غیر مؤثر اور ختم کرنا چاہتے ہیں ۔انھوں نے کہا کہ سرکاری لیگ کے سیکرٹری جنرل مشاہد حسین سید پیرس میں بیان دے چکے ہیں کہ آئندہ انتخابات کے بعد قانون تحفظ ناموسِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ترمیم کردی جائے گی ۔ ۔جس پر پوری قوم میں اضطراب بڑھا ہے ۔خالد چیمہ نے کہا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نوجوان صحابی سیدنا حبیب ابن زید انصاری رضی اللہ عنہ، شہداء جنگِ یمامہ اور شہداء ختم نبوت کا مقدس خون ہم سے متقاضی ہے کہ ہم مرزائی نواز اور دین دشمن طاقتوں اور امریکی تابعداری میں ملکی سلامتی، دینی اقدار اور اعلیٰ عدالتوں کو پامال کرنے والی قوتوں اور حکمرانوں کے سامنے سینہ سپر ہوجائیں ۔مجلس احراراسلام کے ناظم دعوت وارشاد حافظ محمد عابد مسعود ڈوگر نے کہا کہ شہداء ختم نبوت کا مشن فتنۂ ارتدادمرزائیہ کا قلع قمع اور ملک کی نظریاتی واسلامی اور جغرافیائی سرحدوں کا دفاع تھا' ہم ان کے مشن کے وارث ہیں اور آج اس عزم کا اعادہ کرتے ہیں کہ کفروارتداد اور ان کے حاشیہ برداروں سے کبھی کمپرومائز نہیں ہوسکتا۔مجلس احراراسلام چیچہ وطنی کے ناظم نشریات حافظ حکیم محمد قاسم کے علاوہ تحریک طلباء اسلام، شبانِ احرار اور ختم نبوت سٹوڈنٹس جوائنٹ ایکشن کمیٹی اور دیگر طلباء رہنماؤں حافظ محمد معاویہ راشد، حافظ طالب حسین، حافظ سیف الرحمٰن، حافظ محمد اعظم، حافظ محمد آصف سلیم، حافظ محمد مغیرہ، محمد قاسم چیمہ، اور محمد نعمان چیمہ سمیت کئی دیگر طلباء تنظیموں کے سرکردہ رہنماؤں نے اپنے خطاب میں اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ نظریہ اسلام، نظریہ پاکستان، تحریک ختم نبوت اور تحریک تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے اور اپنی تعلیمی ونصابی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ قادیانیت، بہائیت اور پرویزیت کا مطالعہ کرکے ان کے تعاقب کے لیے ماحول بنائیں گے ۔طلباء رہنماؤں نے مطالبہ کیا کہ نصاب سے اسلامی ابواب کے اخراج کا فیصلہ واپس لیا جائے، نصاب میں عقیدہ ختم نبوت اور شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ابواب بھی شامل کیے جائیں، الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر فحاشی وعریانی بند کی جائے، تعلیمی اداروں میں بے حیائی پر مبنی پروگرام بند کیے جائیں، الرشید ٹرسٹ اور الاختر ٹرسٹ پر پابندی کا یک طرفہ اور ظالمانہ فیصلہ واپس لیا جائے ۔طلباء نے اس امر کا اعلان کیا کہ وہ اپنے اپنے ماحول میں ختم نبوت اور دیگر نظریاتی موضوعات پر لٹریچر سے مزین لائبریریاں قائم کریں گے اور تعلیمی وتربیتی ماحول میں رہتے ہوئے آنے والے وقتوں کے لیے اپنے آپ کو فکری وعلمی سطح پر تیار کریں گے ۔

قراردادیں

☆ ملک میں امتناع قادیانیت ایکٹ پر سختی سے عمل درآمد کرایا جائے ۔

☆ بڑھتی ہوئی مہنگائی پر قابو پا کر ذخیرہ اندوزوں اور عوام کا خون چوسنے والے افراد اور اداروں کا احتساب کیا جائے ۔

☆ جشن بہاراں کے نام پر ملک میں بڑھتی ہوئی فحاشی وعریانی کو بند کیا جائے ۔

☆ ایجنسیوں کے ذریعے اغوا کیے گئے افراد کو بازیاب کرایا جائے ۔

☆ جسٹس افتخار محمد چودھری کی نظر بندی ختم کر کے ان کا کیس اُن کے مطالبے کے مطابق کھلی عدالت میں چلایا جائے تا کہ عدلیہ کا وقار برقرار رہے۔

☆ ضلع ساہیوال میں قانون امتناعِ قادیانیت کی صورتحال کو بہتر بنایا جائے اور حسین آباد کالونی ساہیوال سمیت متعدد مقامات پر جاری قادیانی ارتدادی سرگرمیوں اور اشتعال انگیز کارروائیوں کا فوری نوٹس لیا جائے۔

☆ اسلامی ابواب کے اخراج کا فیصلہ واپس لیا جائے، نصاب میں عقیدہ ختم نبوت اور شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ابواب بھی شامل کیے جائیں۔

☆ کانفرنس میں ۲۴ فروری کو چیچہ وطنی میں ہونے والم بم دھماکے کی بھی شدید الفاظ میں مذمت کی گئی اور کہا گیا کہ اس المناک واقعے کے بعد متعدد بے گناہ افراد حتیٰ کہ عورتوں تک کی ماورائے قانون گرفتاریاں اور بہیمانہ تشدد بھی قابلِ مذمت ہے۔ نیز مطالبہ کیا گیا کہ بے گناہ افراد کو بلا تاخیر رہا کیا جائے۔ خوف وہراس کی فضا ختم کی جائے اور پولیس اور سرکاری انتظامیہ اپنی غیر جانبداری کو یقینی بنائے۔

☆ کانفرنس میں ٹی وی چینلز کو مانیٹر کرنے والے ادارے ''پیمرا'' سے پرزور مطالبہ کیا گیا کہ وہ M.T.A (قادیانی ٹی وی چینل) کی نشریات کو بند کرائے۔

☆☆☆

چیچہ وطنی (۱۸ر مارچ) چیچہ وطنی میں سالانہ ''احرار ختم نبوت کانفرنس'' کے کامیاب انعقاد پر کانفرنس کی انتظامی کمیٹیوں کے اراکین ومعاونین کا ایک اجلاس دار العلوم ختم نبوت جامع مسجد چیچہ وطنی میں منعقد ہوا۔ کانفرنس کی مجلس منتظمہ اور مقامی مجلس شوریٰ نے کانفرنس کے حوالے سے جملہ ارکان کی کارکردگی کو بے حد سراہا۔ تاہم کانفرنس میں رہ جانے والی کمزوریوں اور انتظامات کا تنقیدی جائزہ بھی لیا گیا اور آئندہ سال کی کانفرنس کو اور زیادہ منظم کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی گئی۔ کانفرنس کی بھرپور کوریج پر اجلاس میں تمام قومی اخبارات اور اُن کے مقامی نمائندگان اور میڈیا کا شکریہ ادا کیا گیا۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ ہر ماہ مختلف نظریاتی وعلمی موضوعات پر ماہانہ فکری نشست منعقد ہوگی۔ بتایا گیا ہے کہ آئندہ ماہ کی فکری نشست ۱۳ر اپریل بعد نماز جمعۃ المبارک احرار لائبریری ہال چیچہ وطنی میں منعقد ہوگی۔

ماہانہ مجلس ذکر واصلاحی بیان
26 اپریل 2007ء
جمعرات بعد نماز مغرب
ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
امیر مجلس احرار اسلام پاکستان
دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان
الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
061-4511961

ادارہ

مسافرانِ آخرت

☆ محمد اسحاق مرحوم: عبدالعزیز سندھو مرحوم کے والد اور ہمارے دیرینہ کرم فرما (انتقال: ۲۱؍ مارچ ۲۰۰۷ء۔ ملتان)

☆ حسین احمد مرحوم: مجلس احرار اسلام ڈیرہ غازی خان کے وفادار کارکن جناب بشیر احمد بلوچ کے بڑے بیٹے (انتقال: ۲۴؍ مارچ ۲۰۰۷ء)

☆ حافظ محمد فتح اللہ خان خاکوانی مرحوم: ملتان میں ہمارے قدیم معاون، مہربان اور شفیق بزرگ تھے۔

☆ محمد ذیشان صاحب (بن حاجی محمد عباس) کی اہلیہ مرحومہ (انتقال: ۱۳؍ مارچ ۲۰۰۷ء۔ ملتان)

☆ عبدالقادر صاحب (بن حاجی گلزار) کی خوش دامن اور حاجی اللہ بخش کی اہلیہ مرحومہ (انتقال: ۱۰؍ مارچ ۲۰۰۷ء۔ ملتان)

☆ مجلس احرار اسلام چیچہ وطنی کے قدیم معاون شیخ محمد سلیم کی والدہ ماجدہ مرحومہ۔

☆ مجلس احرار اسلام چیچہ وطنی کے قانونی مشیر جناب چودھری عبدالرزاق ایڈووکیٹ (چک نمبر ۳۹۔۱۲ ایل) کے والد محترم چودھری عبدالغفور مرحوم

☆ دارالعلوم ختم نبوت چیچہ وطنی کے معاون قاضی خورشید عالم ایڈووکیٹ مرحوم (چک نمبر ۳۹۔۱۲ ایل)

قارئین سے درخواست ہے کہ تمام مرحومین کے لیے دعاء مغفرت اور ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطاء فرمائے۔ نیز تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ آمین! (ادارہ)

دعائے صحت

☆ محمد اسلم صاحب (اسلم آٹوز جنرل بس سٹینڈ ملتان) اور حافظ محمد فاروق صاحب (ملتان) علیل ہیں۔

قارئین سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

دارالعلوم ختم نبوت چیچہ وطنی کے لیے مزید جگہ کی خرید

مجلس احرار اسلام چیچہ وطنی کی بڑھتی ہوئی تعلیمی و تبلیغی اور دعوتی و تحریکی سرگرمیوں خصوصاً تعلیم و تربیت ،نشر و اشاعت ،دعوت و ارشاد اور تحفظ ختم نبوت کے بڑھتے ہوئے کام کے پیش نظر دفتر احرار جامع مسجد بلاک نمبر 12 چیچہ وطنی سے متصل جنوبی جانب پونے دو مرلے (لمبائی 30 فٹ چوڑائی 16 فٹ تقریباً) پر مشتمل رہائشی جگہ کا آٹھ لاکھ پینتیس ہزار روپے (8,35,000/-) میں سودا کیا گیا ہے۔الحمدللہ 25 مارچ 2007ء کو ابتدائی رقم ادا کردی گئی ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ 10 مئی 2007ء تک مکمل ادائیگی کرنی ہے۔

جملہ اہل خیر سے خصوصی تعاون کی درخواست ہے۔امید ہے کہ احباب فوری توجہ فرمائیں گے۔

نوٹ: رقم بھیجتے وقت مد کی لازماً صراحت فرمائیں۔اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازیں۔(آمین یارب العالمین)

الداعی: عبداللطیف خالد چیمہ مدیر منتظم دارالعلوم ختم نبوت جامع مسجد بلاک نمبر 12 چیچہ وطنی پاکستان

0300-6939453,040-5482253

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 1306-3 نیشنل بینک آف پاکستان جامع مسجد بازار چیچہ وطنی

اکاؤنٹ بنام: دارالعلوم ختم نبوت بلاک نمبر 12 چیچہ وطنی پاکستان

Dar-ul-Ulloom Khat-e-Nabuwwat Block No12, Chichawatni, Pakistan

email:ahrarkhatmenubuwwat@yahoo.com

جناب بشیر احمد ایم اے (فلیچر سکول آف لاء اینڈ ڈپلومیسی امریکہ) کی نئی تصنیف

اقبال اور قادیانیت
تحقیق کے نئے زاویے

----------------------(ملنے کے پتے)----------------------

- ☆ دارالتذکیر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہو　فون: 042-7231119
- ☆ فضلی سنز اردو بازار کراچی　فون: 021-2212991
- ☆ بخاری اکیڈمی دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان　فون: 061-4511961
- ☆ مکتبہ معاویہ جامع مسجد روڈ چیچہ وطنی　فون: 040-5482253

ڈاکٹر جاوید کنول مقابل مرزا مسرور احمد عالمی شہرت یافتہ صحافی ڈاکٹر جاوید کنول کے خلاف
قادیانی سربراہ مرزا مسرور احمد کے خطبہ جمعہ کا جواب

جھوٹا کون؟

ایک ایمان افروز کتاب جس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ڈنمارک سے شائع ہونے والے توہین آمیز خاکوں میں سازش کے اصل کردار قادیانی لابی کے مکروہ عزائم بے نقاب ہوتے ہیں۔

فرزندانِ توحید اور کارکنانِ تحریک ختم نبوت اس کتاب کو گھر گھر پہنچا کر قادیانیت (احمدیت) کا اصل چہرہ آشکار کرنے میں اپنا دینی وقومی فریضہ ادا کریں۔

پاکستان میں ہدیہ:-/75 روپے تاجران وتبلیغی مقاصد لیے خصوصی رعایت

برطانیہ میں رابطہ کے لیے:

0039339855743 Fax:00390471922519
jangitaly@yahoo.co.uk, arpublisher@yahoo.co.uk

پاکستان میں رابطے کے لیے:

بخاری اکیڈمی دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان 061-4511961

مکتبہ معاویہ جامع مسجد روڈ چیچہ وطنی 040-5482253

ahrarkhatmenubuwwat@yahoo.com,
mrameez_34@hotmail, mrameez_34@yahoo.com

سالانہ خریدار متوجہ ہوں

قارئین کی طرف سے اکثر یہ شکایت موصول ہوتی ہے کہ ہمیں سالانہ چندہ ختم ہونے کی کوئی اطلاع نہیں ملی اور رسالہ بند کر دیا گیا ہے۔ اس شکایت کے ازالے اور قارئین کی سہولت کے لیے لفافے پر پتا کے اوپر مدت خریداری درج کر دی گئی ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ درج شدہ مدت کے مطابق اپنا سالانہ چندہ ارسال کر کے اگلے سال کی تجدید کرالیں ۔ اکثر قارئین کا سالانہ زرِ تعاون مارچ ۲۰۰۷ء اور کچھ قارئین کا اپریل ۲۰۰۷ء میں ختم ہو رہا ہے ۔ براہِ کرم اسی ماہ میں ہی اپنا سالانہ زرِ تعاون ۱۵۰ روپے ارسال فرمادیں۔ بصورت دیگر آئندہ شمارے کے لیے معذرت! (سرکولیشن منیجر)

بیاد — مجدد بنی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ — امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ معمورہ

بانی
سیّد عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

قائم شدہ
28 نومبر 1961ء

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

- دار القرآن
- دار الحدیث
- دار المطالعہ
- دار الاقامہ

کی تعمیر میں حصہ لیں

الحمدللہ

مدرسہ معمورہ اپنے تعلیمی وفکری سفر پر گامزن ہے اور تسلسل کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ طلباء کے لیے مدرسہ معمورہ اور طالبات کے لیے جامعہ بستانِ عائشہ میں حفظ وناظرہ قرآن، درسِ نظامی اور پرائمری شعبوں میں تعلیم جاری ہے۔

2004ء میں مدرسہ سے ملحق ایک مکان خریدا گیا جس میں اب دار القرآن، دار الحدیث اور دار المطالعہ کی تعمیر شروع کی جارہی ہے۔ احباب سے اپیل ہے کہ حسبِ سابق نقد وسامانِ تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرما کر اجر حاصل کریں۔

ترسیلِ زر

بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری مدرسہ معمورہ
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 2-3017 یو بی ایل کچہری روڈ ملتان
بذریعہ آن لائن: 2-3017-010 بینک کوڈ: 0165
061-4511961

الداعی الی الخیر
ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری
امیر
مجلس احرار اسلام
پاکستان

تحریک تحفظ ختم نبوت 1953ء کے شہداء کی یاد میں

سالانہ ختم نبوت کانفرنس

دارِ بنی ہاشم

مہربان کالونی ملتان

26 اپریل 2007ء

جمعرات بعد نماز عشاء

زیر صدارت

ابن امیر شریعت

حضرت پیر جی

سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ

امیر مجلس احرار اسلام پاکستان

زعمأ احرار کے علاوہ تمام مکاتب فکر کے جید علماء کرام دینی جماعتوں کے رہنما اور دانشور خطاب فرمائیں گے۔ ان شأاللہ تعالیٰ

جنوبی پنجاب کے احرار کارکن اور عوام کانفرنس میں شریک ہوکر اسے کامیاب بنائیں

061-4511961, 0300-6326621

شعبۂ نشریات

تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبۂ تبلیغ) مجلس احرار اسلام ملتان

Designed by 0321-6358191